جنوری Jan. 2023

ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

ISSN: 2581-9216

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

قیمت: -/20 روپے

www.shibliinternational.com

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

جنوری 2023 Jan جلد: 5 :Vol شمارہ: Issue:59

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابو ہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/-امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابو ہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	مسائل کا حل — قرآن کی روشنی میں	مولوی حبیب الرحمٰن	۷
۴	جب زبان خاموش اور کردار بولنے لگے تو صالح معاشرہ تشکیل.....	ڈاکٹر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی	۱۰
۵	نعت رسول پاک ﷺ	شاہ عبدالرشید سہیل	۱۲
۶	احمد رشید (علیگ) کی افسانہ نگاری کے امتیازات	ڈاکٹر صدام حسین	۱۳
۷	**دُعا**	نیاز جیراجپوری	۱۹
۸	ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی کی غزلیات میں ماضی پرستی (دخترِ نیل.....	ڈاکٹر راحیلہ خورشید	۲۰
۹	ڈسپلن سے غربت کو مات دیں (اُردو+انگلش)	فاروق طاہر	۲۲
۱۰	فارغین ندوہ گروپ اور ارشد اعظمیؒ کا کردار!!	ڈاکٹر آصف لئیق ندوی	۲۴
۱۱	**غزل**	کشور سلطانہ	۲۷
۱۲	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ	مولانا طارق شفیق ندوی	۲۸
۱۳	نعت پاک ﷺ	جہانگیر قیاس	۳۱
۱۴	**غزل**	یاسین ہابیل	۳۱
۱۵	طالب رزاقی کلاسیکل وجدید غزل کا منفرد شاعر	تشکیل انور رزاقی	۳۲
۱۶	مسلم سماج اور ہوٹل کلچر	امانت علی قاسمی	۳۴
۱۷	''حرف واثر'' اور بیان شبلی-ایک مطالعہ	مبصر: اسامہ ارشاد معروفی قاسمی	۳۷
۱۸	**غزل**	فراز ادیبی	۴۰
۱۹	**انتخاب**	حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ	۴۰

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر **سید جلیل حسین ایم ڈی** (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا انجینئر** (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمرالدین**، نیبل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

وقت کا لمحہ یہ کہتا ہوا گذرا مجھ سے ☆ ساتھ چلتا ہے تو چل میں تو چلا جاؤں گا

اس بالا اشعار سے استفادہ کرتے ہوئے ہم ۲۰۲۲ء کا جائزہ لیں تو ہمیں ضرور یہ محسوس ہوگا کہ ہم نے کیا پایا کیا کھویا، دانش مندی کا تقاضہ ہے کہ ہم ماضی کا محاسبہ کریں، جو چیز محاسبہ کی ہوتی ہے اس میں مسرت اور جشن منانا کیسا؟ اگر ہم عالم اور اپنے ملک کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ مادّی کچھ چیزوں میں ضرور ہم نے ترقی کی ہے، راحت کے وسائل ہمارے پاس کچھ حد تک موجود ہیں مگر اخلاقی قدریں اور انسانی قدریں دم توڑتی ہوئی نظر آتی ہیں جس کی وجہ سے انسانوں کا بیشتر حصہ کشمکش میں مبتلا ہے، موجودہ وقت میں ہمیں اپنے تعلیمی معیار اور تربیتی معیار کو بلند کرنے کی ضرورت ہے تاکہ سماج میں دردمند معلم، ڈاکٹر، انجینئر، کسان، تاجر، ملازم وغیرہ کا وجود ہو، کسی بھی اہم کام کے لئے صحیح منصوبہ بندی، اوقات کی حد، لائق افراد کا انتخاب، سیاسی وسائل اور مالی تعاون ہی سے عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔ کیا ہمارے پاس ملکی اور ملی مسائل کے حل کے لئے کوئی لائحہ موجود ہے یا عام طور پر بقول شاعر۔

ساحل کے تماشائی ہر ڈوبنے والے پر ☆ افسوس تو کرتے ہیں امداد نہیں کرتے

ہمیں عملی میدان میں ہمت اور حوصلے سے مسلسل کاوش کرنے کی ضرورت ہے۔

گذشتہ ماہ میں ہلدوانی اتراکھنڈ میں لاکھوں انسانوں کو تڑپتے اور بلکتے ہوئے دیکھا، اس کی وجہ یہ تھی ریلوے ڈپارٹمنٹ نے اتراکھنڈ ہائی کورٹ سے یہ آڈر پاس کرالیا تھا کہ بسی ہوئی بستیاں ہماری زمین پر ہے اس وجہ سے عمارتیں زمین دوز کردی جائیں اور ہمارے حوالے کردی جائے۔ حالانکہ بستیاں بسی ہوئی ایک صدی سے زیادہ پر محیط ہیں اور ان کے پاس قانونی اور حقیقی دستاویزات بھی موجود ہیں، ان بستیوں میں مندر، مساجد اور گورنمنٹ کے کئی اسکول اور کالج بھی موجود ہیں، طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اتراکھنڈ کی سرکار اور مرکزی حکومت اس معاملے میں کسی طرح کا اقدام نہیں کررہی ہے، مجبور ہوکر باشندگان ہلدوانی اتراکھنڈ نے سپریم کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا، سپریم کورٹ کے ججوں نے بڑی جرأت کے ساتھ ریلوے کے دعوے اور ہائی کورٹ کے فیصلے پر روک لگادی اور انسانی قدروں کی نصیحت کرڈالی، اب آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ اس معاملے میں کیا ہوگا۔ سوشل میڈیا کے توسط سے باشندگان ہلدوانی کو دعا اور یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ یہاں پر بلالحاظ مذہب وملت کے شیر وشکر کی طرح رہتے ہیں، لگتا ہے کہ اس میں نظر لگ گئی ہے اور اس محبت کے ماحول کو نفرت میں بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے ہم ایسا ہونے نہیں دیں گے۔

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کے زیر اہتمام مسجد الٰہی نزد مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر کا تعمیری کام جارہی ہے، اہل خیر حضرات سے مؤدبانہ گذارش ہے نقد یا اشیاء سے تعاون فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

جزاک اللہ أحسن الجزاء.

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس میں آیا، آپ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی، آدابِ مسجد سے واقف نہ تھا، وہیں کھڑے کھڑے پیشاب کرنے لگا، لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں، آپ ﷺ نے فرمایا ''جانے دو'' اور پانی کا ایک ڈول لاکر بہادو، خدا نے تم لوگوں کو دشواری کے لیے نہیں بلکہ آسانی کے لیے بھیجا ہے۔

حضرت انسؓ جو خادم خاص تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا میں نے کہا نہ جاؤں گا، آپ ﷺ چپ رہ گئے، میں یہ کہہ کر باہر چلا گیا، دفعتاً آنحضرت ﷺ نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑ لی، میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ ہنس رہے ہیں، پھر پیار سے فرمایا ''انس! جس کام کے لیے کہا تھا اب تو جاؤ'' میں نے عرض کیا اچھا جاتا ہوں، انسؓ نے اسی واقعہ کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے سات برس آپ ﷺ کی ملازمت کی، کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہ کیا، یا یہ کیوں نہ کیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ ہم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے، جب اٹھ کر گھر میں جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے، ایک دن حسب معمول مسجد سے نکلے، ایک بدو آیا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر اس زور سے پکڑ کے کھینچی کہ گردن سرخ ہوگئی، آپ ﷺ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، بولا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دے، تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا پہلے میری گردن کا بدلہ دو، تب غلہ دیا جائے گا، وہ بار بار کہتا تھا کہ خدا کی قسم میں ہرگز بدلہ نہ دوں گا، آپ ﷺ نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجوریں لدوا دیں اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔

(قریش نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتے تھے، برا بھلا کہتے تھے، ضد سے آپ ﷺ کو محمد ﷺ (تعریف کیا گیا) نہیں کہتے تھے، بلکہ مذمم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے لیکن آپ ﷺ کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ ''تمہیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیوں کر پھیرتا ہے، وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمدؐ ہوں''

جس زمانہ میں آپ ﷺ فتح مکہ کے لیے تیاریاں کر رہے تھے، اس بات کی خاص احتیاط فرما رہے تھے کہ قریش کو ہمارے ارادوں کی خبر نہ ہو، حاطبؓ بن بلتعہ ایک صحابی تھے، انھوں نے چاہا کہ قریش کو اس کی اطلاع کر دیں، چنانچہ ایک خط لکھ کر انھوں نے چپکے سے ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا، آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوگئی، حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اسی وقت بھیجے گئے، جو قاصد کو مع خط کے گرفتار کر لائے، حاطب کو بلا کر دریافت کیا تو انھوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا اور معذرت چاہی، یہ موقع تھا کہ ہر سیاست داں مجرم کی سزا کا فتویٰ دیتا لیکن آنحضرت ﷺ نے اس لیے ان کو معاف فرمایا کہ وہ شرکائے بدر میں تھے، عورت جو اس جرم میں شریک تھی، اس سے بھی کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا، حالانکہ یہ خط اگر دشمنوں تک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو سخت خطرات کا سامنا ہو جاتا۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۸۴-۲۸۶)

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

مسائل کا حل — قرآن کی روشنی میں

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (البقرۃ:۲۱۳)

ترجمہ: دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہوجائے۔ اور صرف ان ہی لوگوں نے جنھیں کتاب دی گئی تھی، اپنے پاس دلائل آچکنے کے بعد آپس کے بغض وعناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا اس لئے اللہ پاک نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنی مشیت سے رہبری کی اور اللہ جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔

تشریح: جو کتابِ الٰہی پر ایمان کے دعویدار تھے پس وہ لوگ ایمان لائے اور کتابِ الٰہی کی روشنی میں پیدا کردہ اختلافات کے غلط ہونے کو محسوس کرتے ہوئے ہدایت پر چلنے کی کوشش کرتے رہے۔ ہدایت حاصل کرنے کا یہی الٰہی قانون ہے، یعنی جو واقعی دوزخ سے بچنے کیلئے کتابِ الٰہی سے ہدایت کی راہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، اُن کو ہدایت کی راہ ضرور معلوم ہوجاتی ہے (الرعد:۲۷، الشوریٰ:۱۳)۔

اس آیت کی رُو سے ایمان والوں پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے اختلافات جو کہ روایات کی بناء پر پیدا ہوگئے ہیں، اُن کو قرآن کی ہی روشنی میں دور کرنے کی کوشش کرکے اُمت واحدہ بنیں، جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْن (النحل:۶۴) ''اور ہم نے تم پر کتاب صرف اس لئے اتاری ہے کہ تم ان کو وہ چیز کھول کر بتادیں جس میں وہ اختلاف کررہے ہیں، اور وہ (قرآن) ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں'' کیونکہ اُمتِ واحدہ بننے کی کوشش کرنا ایمان والوں پر اسی طرح لازمی وضروری ہے جس طرح قرآن سے ہدایت حاصل کرنا لازمی وضروری ہے، چنانچہ فرمایا ''پس اللہ اگر چاہتا تو تم سب کو ایک ہی ہدایت پر جمع کردیتا'' یہ بات النحل ۹ میں بھی فرمائی گئی ہے اور سجدہ ۱۳ میں فرمایا ''اگر ہم چاہیں تو ہر نفس کو ہدایت دے دیتے'' ان تینوں آیات سے ثابت

ہوجاتا ہے کہ سامانِ ہدایت (قرآن) سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہر ایمان والے کا کام ہے اور جو ایسا نہیں کرے گا اُس کو دنیا میں سزا، ذلت ومحتاجی کی زندگی اور مرنے کے بعد ابدی عذاب ہوگا۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ہدایت ایک ہی ہے اور نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہدایت پر چلنے والی جماعت ایک ہی ہوگی (اُمت واحدہ)۔ اُمت واحدہ بننے کیلئے جن بنیادی باتوں کی ضرورت ہے وہ سب دین اسلام میں موجود ہیں، مثلاً تمام انسان آدمؑ وحواؑ کی اولاد ہیں جن کی ضروریات، حاجات، جذبات وخواہشات بھی نہ صرف ایک ہی ہیں بلکہ اُن کو پورا کرنے کا سامان، اسباب وقوانین بھی ایک ہی ہیں، ان کا خالق، معبود، پروردگار بھی ایک ہی ہے جس نے ان کیلئے ایک ہی طریقۂ زندگی وبندگی (دینِ اسلام) تجویز کردیا ہے۔

وہ آیات پیش ہیں جن میں اُمت واحدہ بننے کا تاکیدی حکم دیا گیا۔

۱) اور اگر اللہ چاہتا تو یقیناً تم سب کو ایک ہی اُمت بنادیتا (المائدہ: ۴۸)۔ بغرض غور وفکر اس آیت کا خلاصہ پیش ہے ''اور ہم نے (اے پیغمبر) تمہاری طرف ایسی کتاب حق کے ساتھ نازل کردی ہے جو تصدیق کرنے والی ہے پچھلی کتابوں کی اور اُن کی تعلیمات کی محافظ ہے، پس تم اُن کے درمیان اُس کتاب کی روشنی میں فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، تمہارے پاس حق آجانے کے بعد اُن کی خواہشات کی پیروی مت کرو، ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک ہی شریعت (ایمان وعقائد اور انجامِ آخرت کے قوانینِ الٰہی) اور منہاج (اُمتیوں کے دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے موقع ومحل کے لحاظ سے حکمت ومصلحت کے تحت اللہ کے دیئے ہوئے احکام) مقرر کیا ہے (کیونکہ تم سب کی نسل ایک ہی ہے) اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی سب کو ایک ہی اُمت بنادیتا (یہ بندوں کا کام ہے کہ وہ خود ہی ایک اُمت بنیں) مگر اللہ کا قانون یہ ہے کہ اس کے دیئے ہوئے احکام میں تمہاری آزمائش کرے، پس تم بھلائیوں کی طرف دوڑو، آخر کار تم سب کو اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تم کو بتادے گا جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے۔'' یہاں قرآن کو تمام پچھلی کتابوں کی محافظ فرما کر قرآن ہی کے مطابق ان کے معاملات کا فیصلہ کرنے کا حکم دینا ثابت کردیتا ہے کہ پچھلی اُمتوں کی شریعت ایک ہی تھی اور حقیقتِ واقعہ اس کے خلاف ہوتا تو ان کے معاملات کا فیصلہ قرآن سے کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا۔

قربانی کا طریقہ ہر ایک کے پاس ہر زمانہ میں ایک ہی رہا ہے (الحج: ۳۴ اور ۶۷) اس لئے الگ الگ شریعت کی بات غیر صحیح قرار پاتی ہے۔

۲) ہود ۱۱۸ میں فرمایا ''اگر تیرا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک اُمت واحدہ بنادیتا'' یہی بات النحل ۹۳ میں بھی اس تنبیہہ کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ دنیا میں اُمت واحدہ بننے یا جماعت وفرقہ بنانے کے معاملہ میں جو کام کرو گے اُن کے متعلق تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔

۳) انبیاء ۹۲ میں فرمایا تمام پیغمبر اور اہلِ ایمان ایک ہی اُمت ہیں۔ مؤمنون ۵۲ میں تمام رسولوں کو ایک ہی

اُمتِ واحدہ فرمایا گیا ہے کیونکہ تمام انبیاء ورُسُل کا ایمان و عقائد اور فکرِ آخرت کی تعلیم وتربیت اور دعوتِ حق پہنچانے کا طریقہ کار ایک ہی رہا ہے۔ الشوریٰ ۱۳ میں فرمایا گیا ''نوحؑ سے لیکر نبی کریمؐ تک دین کا ایک ہی طریقہ (شرع) مقرر کیا گیا۔

وہ آیات پیش ہیں جن میں اختلاف وتفرقہ پیدا کرنے والوں کو جو سزا وعذاب دیا جائے گا اُس کو بیان کیا گیا

۱) آل عمران ۱۰۳ میں فرمایا کہ تم سب اللہ کی رسی (قرآن) مل کر تھام لو، اور آپس میں تفرقہ مت پیدا کرو۔ آل عمران ۱۰۵ میں تفرقہ پیدا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے بُرا عذاب ہے۔ انعام ۶۵ میں فرمایا اگر تمہارے عقائد میں شرک ہوگا تو تم کو گروہ گروہ کرکے آپس میں لڑادے گا (ایک کو دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھائے گا)۔

۲) انعام ۱۵۹ میں فرمایا کہ جو لوگ اپنے دین (شریعت) میں تفرقہ ڈالا (اختلافات کیئے) اور گروہوں میں بٹ گئے ان سے اے پیغمبر آپ کا ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔ اعراف ۱۶۸ میں فرمایا جو ایمان کے تقاضے کو پورا کرنے کی کوشش نہ کریں گے اور اللہ کے بندوں کو دوزخ سے بچنے کی دعوت نہ دیں گے تو بطور سزا کے وہ دنیا میں گروہ درگروہ کردیئے جائیں گے، یعنی خود ہی جماعتیں اور فرقے بنا بنا کر بٹ جائیں گے۔ الانبیاء ۹۳ میں فرمایا کہ ایمان کے دعویدار اپنے دین میں اختلافات پیدا کرلئے ان سب کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ النحل ۹۲ میں فرمایا گیا کہ جو کچھ تم اختلاف کرتے تھے وہ حشر کے دن تم کو بتادیا جائے گا اور ۹۳ میں فرمایا گیا اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک اُمت واحدہ بنادیتا اور تم ضرور پوچھے جاؤ گے تمہارے اپنے ان اعمال کے بارے میں جو تم اُمت واحدہ بننے میں یا اس کے بکھر جانے کیلئے کیئے ہوں گے۔

۳) مؤمنون ۵۳ میں فرمایا کہ ایمان والے اپنے دین میں اختلاف کرکے گروہوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ اس خیال میں مگن ہے کہ وہی ہدایت پر ہے، یہی بات الروم ۲۵ میں بھی فرمائی گئی ہے۔

۴) اور الشوریٰ ۱۴ میں ہے کہ اللہ کی طرف سے علم آجانے کے بعد محض ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اختلاف کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ اگر پہلے سے طئے نہ کردیا گیا ہوتا (حشر کے دن فیصلہ کے بعد سزا دی جائے گی) تو ان کے اختلاف کرنے پر فوراً عذاب دے دیا جاتا۔

مندرجہ بالا ارشاداتِ الٰہی کے علاوہ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ پچھلی امتیں (۷۲) فرقوں میں بٹی اور میری اُمت (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی سب کے سب دوزخی ہوں گے، سوائے ایک کے، تو صحابہؓ نے پوچھا نجات پانے والا کونسا فرقہ ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں جس طریقہ پر ہوں اور میرے اصحابؓ جس طریقہ پر ہیں وہی نجات پائے گا (ترمذی، جلد نمبر ۲، حدیث نمبر ۵۰۱)۔ یہ ارشادِ رسولؐ دراصل النساء ۱۱۵ کے تحت فرمایا گیا ہے۔ الغرض اللہ و رسولؐ کے مندرجہ بالا ارشادات کی رو سے جماعت بندی، فرقہ بندی سنگین جرم قرار پاتا ہے کیونکہ اللہ نے اصلاح وتبلیغ کے عملی نمونے بھی قرآن میں بیان کردیا ہے۔

مولانا ڈاکٹر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی۔
کامل الحدیث جامعہ نظامیہ، حیدرآباد (Osm)M.A., M.Com., Ph.D

جب زبان خاموش اور کردار بولنے لگے
تو صالح معاشرہ تشکیل پاتا ہے

انسانی تکامل وارتقاء کا راز خودستائی میں نہیں بلکہ اعلی کردار کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے تمام امتیازات وخصوصیات کے باوجود ہمیشہ اپنی تقصیر وکوتاہی کا اعتراف کرنے میں مضمر ہے۔ خودستائی وہ بدخلقی ہے جس سے عبادت بھی خراب ہوجاتی ہے۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا اچھے اخلاق گناہوں کو اس طرح پگھلا دیتے ہیں جس طرح نمک کے پتھر کو پانی پگھلا دیتا ہے اور برے اخلاق عبادت کو اس طرح خراب کردیتے ہیں جس طرح سرکہ شہد کو خراب کردیتا ہے۔ ہر انسان اپنے ظاہری لباس کو گندگی و پلیدی سے پاک وصاف رکھنے کی حتی المقدور کوشش کرتا ہے تاکہ مخلوق خوش ہوجائے لیکن انسانی معاشرے میں بہت کم ہستیاں ایسی ملتی ہیں جو اپنے باطن وکردار کو بداخلاقیوں سے دور رکھنے کی انتھک کوشش کرتی ہیں تاکہ ان کا خالق راضی ہوجائے۔ امت مسلمہ کو قول کے دائرے سے نکل کر کردار کا غازی بننا اس لیے بھی ضروری ہے چونکہ تعلیمات اسلامی سے پوری دنیا کو معطر کرنے میں ہمارے اسلاف کے کرداری نمونوں کو ہی مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جو لوگ عقل سلیم، قلب صمیم اور فکرِ عظیم رکھتے ہیں وہ نہ صرف زبانی طور پر مسلمان ہونے کا دعوی کرتے ہیں بلکہ ان کا ہر عمل اسلامی تعلیمات کا مظہر ہوتا ہے، ان کے قال وحال میں کوئی فرق و تضاد نہیں ہوتا۔ لیکن جب سے مسلم معاشرے میں علمی زوال اور روحانی تربیت کا فقدان عام ہونے لگا مسلمان عمل سے زیادہ قولی دعوؤں پر زیادہ توجہ دینے لگا۔ جیسے ایک زمانہ تھا جب ہمارے اسلاف علم وعمل اور تقوی وطہارت کا اعلی نمونہ ہونے کے باوجود ان اس قدر انکساری کے پیکر ہوا کرتے تھے کہ انہیں اگر کسی لقب سے ملقب کیا جاتا تو وہ اپنی عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرتے۔ تحقیق وتدقیق کے بعد جلدوں میں کتب تصنیف کرنے والے علماء اعلام اور ہزاروں کی تعداد میں تاریک دلوں کو نور ایمانی سے منور کرنے والے صوفیاء عظام اپنا تعارف 'احقر العباد وافقرھم الی اللہ'، 'حقیر فقیر پُر تقصیر'، 'بندۂ عاصی'، 'بندۂ ناچیز'، خادم العلم جیسے الفاظ سے کروانا زیادہ پسند کرتے تھے یہ وہ وقت تھا جب مومنانہ کردار اپنے عروج پر تھا۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ لوگ ان بزرگوں کی نقالی کرتے ہوئے مذکورہ بالا الفاظ اپنے نام کے ساتھ استعمال کرنے لگے جو ایک فیشن سا بن گیا چونکہ ان میں سے اکثر نہ علم وعمل کے مینارہ نور ہوتے تھے اور نہ ہی ان کے کردار میں عاجزی وانکساری کا کوئی عنصر پایا جاتا تھا یہ وہ وقت تھا جب مومنانہ کردار میں گراوٹ آنی شروع ہوچکی تھی۔ اب وہ دور آگیا جس پر ہم جتنا ماتم کریں کم ہے چونکہ آج ہمارے فکری وعلمی زوال اور تخلیقی وروحانی انحطاط کا یہ

عالم ہوگیا کہ عوام الناس نہیں بلکہ لوگ خود اپنے نام کے ساتھ فخر مفسرین، محدث اعظم، فقیہ دوراں، رہبر شریعت، پیر طریقت وغیرہ جیسے الفاظ لکھنے لگے ہیں طرفہ تماشہ یہ کہ وہ لوگ اپنے آپ کو رہبر شریعت لکھنے لگے ہیں جنہیں درس نظامی میں پڑھائی جانے والی بنیادی کتب کے نام بھی نہیں معلوم، اور وہ نام نہاد اور خوش فہم جعلی پیر اپنے نام کے ساتھ پیر طریقت لکھنے لگے ہیں جنہیں نہ مبادیات سلوک کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی تزکیہ نفس کے مراحل و مراتب سے کوئی واقفیت۔ یہ وہ دور ہے جب ہمارا کردار تقریباً مسخ ہو چکا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ آج سیاسی قائدین مذہبی رسومات ادا کررہے ہیں اور نام نہاد علماء اور جعلی پیر سیاست کررہے ہیں۔ ہماری اس غلط روش کا اصل محرک غرور و تکبر ہے جس کی دین اسلام میں سختی سے ممانعت کی گئی ہے چونکہ تقوی و طہارت کے تکبر میں مبتلا ہونے سے انسان دنیا میں ذلیل و خوار اور آخرت میں رسوا ہوجاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے قبیح فعل یعنی خود پسندی و خودستائی کو اپنانے ہی کا خمیازہ ہے کہ عوام الناس علماء و مشائخین کو تلقین کرنے لگے ہیں جبکہ ایک زمانہ تھا جب عوام الناس اپنے معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے علما و صوفیا سے رجوع ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک زمانہ تھا جب اہل ثروت و صاحب اقتدار لوگ علماء مشائخین سے ملاقات کرنے اور ان کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کو اپنی خوش نصیبی تصور کرتے تھے آج نام نہاد علماء و جعلی پیر متمول حضرات اور ایوان حکومت سے وابستہ افراد کے ساتھ تصویر کشی کو بھی اپنی زندگی کا اہم کارنامہ سمجھنے لگے ہیں۔ مسلم معاشرے میں بڑھتی ہوئی برائیوں پر ہر طبقہ کو تشویش ہے لیکن جب موقع ہاتھ لگتا ہے تو ہر کوئی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتا نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ ہر محاذ پر پستی کا شکار ہوچکی ہے، گمراہی کے دلدل میں دھنس گئی ہے اور اصلاح معاشرے کی ہزاروں تحریکات چلنے کے باوجود معاشرے میں کوئی مثبت و حوصلہ افزاء تبدیلی نہیں آرہی ہے۔ مسلم معاشرے میں پائی جانے والی یہ کیفیت قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک نشانی ہے۔ سرور کونین ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ''لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، جب ان سے مسئلہ دریافت کیا جائے گا تو وہ بغیر علم فتوی دیں گے، اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ایک زمانہ تھا جب کوئی مفسر، محدث، فقیہ، متکلم اس دنیا سے رخصت ہوتا تو اس کے جانشینوں کی تعداد ہزاروں میں ہوا کرتی تھی اب قحط الرجال کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ کوئی عالم یا صوفی دار فانی سے کوچ کرتا ہے تو ہمیں بڑی مشکل سے ان کا جانشین ملتا ہے۔ ایسے عالم میں ہر مسلمان کی مذہبی ذمہ داری ہے کہ وہ حاضر دماغی کے ساتھ اپنے ایمان و عقیدہ کو کردار سے محروم نام نہاد علما و جعلی پیروں سے بچائے۔ مسلمانوں کی اکثریت بزرگان دین سے بڑی عقیدت رکھتی ہے اور رکھنی بھی چاہیے چونکہ یہ نعمت اللہ صرف انہی خوش نصیبوں کو عطا فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے لیکن عصر حاضر کی یہ ایک کڑوی حقیقت ہے کہ ہماری عقیدت اور بزرگان دین کے اقوال پر عمل پیرا ہونے میں بڑا تضاد پایا جاتا ہے چونکہ ہم زبانی دعوے بہت کرنے لگے ہیں اور کردار کو سنوارنے پر ہم بہت کم توجہ دیتے ہیں جبکہ بزرگان دین کے اقوال میں انسانی کردار کی خوبی پنہا ہوتی ہے۔ مثلاً پیران پیر حضور شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کا ارشاد مبارک ہے کہ کسی بھوکے کو ایک وقت کا کھانا کھلانا کعبۃ اللہ شریف پر غلاف چڑھانے سے بہتر ہے۔ امت مسلمہ بالعموم اور وابستگان سلسلہ عالیہ قادریہ غوث اعظمؒ کے اس ارشاد مبارک

پرعمل پیرا ہوجائیں اور آپؐ کے اس فرمان عالیشان کو اپنے کردار اور زندگی کا اہم حصہ بنالیں تو مسلمانوں کے بے شمار مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ بزرگان دین کے آستانے مرجع خلائق ہیں جہاں بلا لحاظ مذہب وملت لوگ عقیدت سے حاضری دیتے ہیں لیکن یہ بھی ایک تاریک پہلو ہے کہ آستانوں کے اطراف واکناف میں گندگی اور لوگوں کا بھیک مانگنا ایک عام بات ہوچکی ہے جس کی وجہ سے اغیار میں اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ اگر عقیدت مند حضرات مزار پر غلاف کے اوپر غلاف چڑھانے کے بجائے آستانوں کے اطراف پائی جانے والی گندگی کو دور کرنے اور گداگروں کی مالی اعانت کرکے انہیں روزگار سے وابستہ کرکے انہیں باوقار زندگی گزارنے میں مدد و اعانت کرنے کی کوشش کریں تو امت مسلمہ کے بیشتر مالی، تعلیمی، تہذیبی وثقافتی مسائل ازخود حل ہوجائیں گے جو صالح معاشرے کی تشکیل کے لیے ازحد ضروری ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب مسلمان اندھی عقیدت سے نکل کر اپنے کردار کو سنوارنے پر اپنی توجہات مرکوز کریں گے۔ اگر ہم اپنی استعداد کے مطابق اس میں کامیابی حاصل کرلیں تو یقیناً یہ نہ صرف بزرگان دین کے لیے بہترین خراج عقیدت ہوگا بلکہ ہمارا یہ عمل تبلیغ اسلام کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کا احسن طریقہ بھی متصور ہوگا چونکہ ہمارے اس عمل میں اسرار و حکمتوں سے لبریز تقریر کرنے اور مدلل ومستند مضامین تحریر کرنے سے زیادہ اثر پذیری ہے۔ لہٰذا آج کے مسلمان کو چاہیے کہ وہ انسانی معاشرے میں اپنے مومنانہ کردار کو بحال کرنے کی بھرپور کوشش کرے اور اپنے وسیع وفعال سماجی کردار کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ واشاعت اور صالح معاشرہ کی تشکیل کا کام انجام دے جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔

شاہ عبد الرشید سہیلؔ چن پٹن، بنگلور، کرناٹک

نعت رسول پاک ﷺ

وہ پیکرِ نور شاہ بطحیٰ رسولِ عزت مآب آیا
ہیں جس سے کوچہ گلی منور، وہ زرفشاں آیا
اسی سے ہم کو ملا ہے قرآں، اسی سے دین خدا کو پایا
اسی سے ظلمت مٹی جہاں کی، اسی سے حق کا نصاب آیا
یتیم و بے کس کا ماوا ملجا، امین، صادق یگانہ یکتا
امام ہے سب پیمبروں کا، نبیؐ وہ اک لا جواب آیا
تھا ابتلا شرک میں جو انساں، جگادیا اس کے دل میں ایماں
پڑھایا وحدانیت کا کلمہ، جہاں میں اک انقلاب آیا
جلا تجلی سے طور سینا، رہا نہ موسیٰ کو ہوش باقی
ہے شان میرے نبی کی دیکھو، نظر خدا بے حجاب آیا
رکے تھے جبرئیل اپنی حد پر، کہا کہ پہنچا ہوں منتہا پر
نبی کی تھی ابتداء وہیں سے، کوئی نہ پھر ہم رکاب آیا
خدا نے خود ہی کہا ہے اس کو کہ ہے محمدؐ سراپا رحمت
برائے بخشش وہ ساتھ لے کر نماز، روزہ، کتاب آیا
نبی وہ ایسا کہ خود خدا نے کہا کہ اس پر درود بھیجو
سہیلؔ جس نے درود بھیجا تو اس کے حق میں ثواب آیا

آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ بطفیل نعلین پاک مصطفیٰ ﷺ ہمیں قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی تعلیمات کے مزاج کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین طہٰ ویسین۔

ڈاکٹر صدام حسین۔رام پور۔یوپی۔انڈیا

احمد رشید (علیگ) کی افسانہ نگاری کے امتیازات

پچھلے پچیس تیس برسوں میں جن قلمکاروں نے فکشن کے منظرنامے پر اپنی مضبوط شناخت بنائی ہے ان میں احمد رشید کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔انھوں نے کم لکھا ہے، مگر جتنا بھی لکھا ہے وہ ہر لحاظ سے لائق اعتبار ہے۔احمد رشید نے ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا مگر عروض کی پابندیوں سے وہ بہت جلد بیزار ہوگئے۔پابند شاعری کے اصول وضوابط انھیں راس نہیں آئے۔البتہ کچھ نثری نظمیں کہیں۔ان کی یہ نظمیں ''برگ آوارہ''، ''مورچہ دیکھلی'' اور دیگر پرچوں میں شائع ہوئیں مگر نظمیں بھی ان کے تخلیقی احساس کی تشنگی کو بجھا نہ سکیں اور طبیعت کچھ نیا کرنے پر انھیں برابر اُکساتی رہی۔ بالآخر انھوں نے اپنے احساسات و مشاہدات کے اظہار کے لیے صنف افسانہ کا انتخاب کیا اور ان کا پہلا افسانہ ''شیشہ ٹوٹ گیا'' کے عنوان سے رسالہ ''شاہ جہاں'' دہلی میں 1982ء میں شائع ہوا۔اس کے بعد احمد رشید نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔وہ مسلسل افسانے لکھتے رہے اور ان کے افسانے برصغیر کے مؤقر ادبی رسائل و جرائد مثلاً ''جواز''، ''آہنگ''، ''شاعر''، ''تحریک ادب'' وغیرہ میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔اب تک ان کے تین افسانوی مجموعے: ''وہ اور پرندہ'' (2002)، ''بائیں پہلو کی پسلی'' (2014)، ''کھوکھلی گگر (2019)'' منظر عام پر آکر ناقدین وقارئین کے درمیان قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔

نظموں اور افسانوں کے علاوہ احمد رشید نے مختلف نوعیت کے ادبی وتنقیدی مضامین اور تحقیقی مقالے بھی لکھے ہیں جو ان کے تحقیقی وتنقیدی شعور کی پختگی کو واضح کرتے ہیں۔انھوں اپنے کئی ہم عصروں کے بہترین خاکے بھی لکھے ہیں۔تبصرہ نگاری سے بھی انہیں خاصا شغف ہے۔ ان کے مضامین، تبصرے اور خاکے ہندو پاک کے معتبر رسائل وجرائد اور اخبارات میں شوئع ہو چکے ہیں، جن میں ''آہنگ'' (گیا)، ''جواز'' (مالیگاؤں)، ''سب رس'' (حیدرآباد)، ''شاعر'' (ممبئی)، ''استفسار'' (راجستھان)، ''نگینہ'' (کشمیر)، ''روشنائی'' (پاکستان) وغیرہ شامل ہیں۔طلباء کی نصابی ضرورتوں کے پیش نظر بھی احمد رشید نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔اس نوع کی کتابوں میں ''رہبر ادب''، ''تربیت معلم''، ''صحیفۂ ادب''، ''اردو گائیڈ'' اور ''راہ نو'' زبان کی صفائی اور اظہار کی سادگی کے سبب طلباء کے درمیان بے حد مقبول ہیں۔الغرض احمد رشید ایک متعدد الجہات شخصیت کا نام ہے۔برصغیر کے کئی رسائل نے ان کی زندگی اور فن پر خصوصی گوشے بھی شائع کیے ہیں۔

احمد رشید کے افسانوں کو پڑھ کر کر احساس ہوتا ہے کہ انھیں افسانہ نگاری کے فن اور بدلتے وقت کے ساتھ اس میں ہونے والی تبدیلیوں کا گہرا علم ہے۔فکر وفن کی پختگی، اظہار کی ندرت، اسلوب کی جدت اور موضوع کے تنوع کے

سبب وہ فکشن کے منظرنامے پر بتدریج اپنی شناخت مستحکم کرتے جا رہے ہیں۔ احمد رشید کے افسانوں میں موجودہ عہد کی زندگی، سماج اور معاشرہ پوری طرح موجود ہے۔ انھوں نے اپنے اردگرد کی زندگی اور ماحول سے افسانوں کے موضوعات لیے ہیں۔ رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ، صارفیت کا بہاؤ، جنسی استحصال، سیاسی بدعنوانیاں، معاشرتی خرابیاں، مشینی زندگی کا کرب، عورتوں کی نفسیات، مذہبی اعتقادات، فرد کی داخلی وخارجی کشمکش، تہذیبی انحطاط، سماجی تفریق وغیرہ ان کے اہم موضوعات ہیں۔

انھوں نے اردو فکشن کو فکر ونظر کے نئے زاویوں، اظہار وبیان کے منفرد قرینوں اور اسلوبیات کے اچھوتے طریقوں سے آشنا کیا ہے۔ ان کے افسانوں کی منفرد وممتاز ادبی وفنی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے افسانے عام ڈگر سے ہٹ کر ہیں اور اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔ ان کے فکر وفن کے متعلق پروفیسر صغیر افراہیم کے یہ جملے بہت اہم معلوم ہوتے ہیں:

''احمد رشید نے اپنے افسانوں میں زندگی کی حقیقتوں کو کائنات کے عمرانی اور تہذیبی پس منظر سے جوڑنے کی سعی کی ہے اور اپنے عہد کے فنی اور فکری مسائل پر بھی توجہ دی ہے۔ ''وہ اور پرندہ'' اور ''بائیں پہلو کی پسلی'' دونوں مجموعے تخلیقی، اسلوبی اور تکنیکی سطح پر افسانوی منظرنامے کو وسیع تر کرتے ہوئے کہانی، صرف کہانی ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ ہر افسانہ معنی کی تہہ داری، فکر کی بلندی، زندگی کے ہر پہلو سے متعلق ایک واضح وژن کا تقاضہ کرتا ہے کیونکہ افسانہ ادب کی ایک مخصوص اور غزل کی طرح نازک ومحتاط صنف ہے۔ احمد رشید کے افسانوں میں موضوعات کا تنوع بھی ہے اور افسانے کی مروجہ تکنیک سے جڑے نہ رہنے کی جرأت بھی۔ تخلیقی سفر میں اپنی زمین پر غور وفکر کے قدم جمائے رکھنے کے باوجود بیانیہ میں سمندر کا سا پھیلاؤ، اظہار میں معنی کی تہہ داری، عصری افق پر تیز نگاہوں کے ساتھ لہجے اور پیشکش کی تازہ کاری کی تفصیل ملتی ہے۔'' (اردو افسانہ: تعریف، تاریخ اور تنقید، صغیر افراہیم، براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی 2018، ص:308-309)

مذکورہ بالا اقتباس میں صغیر افراہیم نے احمد رشید کے فن کے متعلق معنی کی جس تہہ داری، تکنیک کے جس تنوع، فکر کی جس بلندی اور اظہار کی جس ندرت کا ذکر کیا ہے، ان کے افسانوں کو پڑھتے وقت ان تمام دعووں کی صد فیصد تصدیق ہو جاتی ہے۔ احمد رشید کی کہانیاں زمان ومکان کی قیود سے بالاتر ہیں، اس لیے انھیں کسی مخصوص نقطہ نظر، رجحان یا زمانے سے جوڑ کر سمجھنا سراسر ناانصافی ہوگا۔ انھوں نے عام واقعات اور بظاہر معمولی سمجھے جانے والے معاملات کو بھی اس طرح اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے کہ ان میں معنی کی متعدد جہتیں پیدا ہوگئی ہیں اور روزمرہ کی زندگی کے عام واقعات جب ہم ان کے افسانوں میں پڑھتے ہیں تو وہ بھی انوکھے اور اہم لگنے لگتے ہیں۔ بیک وقت معنی کی کئی پرتیں موجود ہونے اور کہانی در کہانی کی کیفیت رکھنے کے سبب احمد رشید کی کہانیوں کو سنجیدگی اور گہرائی سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ ان کہانیوں کے سرسری مطالعہ یا تسلسل کی ڈور ٹوٹ جانے سے قاری کے ذہن کی رسائی ان کے مفہوم تک نہیں

ہوسکتی۔ نہ ہی یہ کہانیاں ایسے قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھ سکتی ہیں۔ ہاں سنجیدہ قاری کے لیے ان کہانیوں میں ایک جہان معنی آباد ہے جو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ ان کہانیوں کی مکرر قرأت قاری کو ہر بار ایک نئے معنی سے روشناس کراتی ہے۔

ہر فنکار بنیادی طور پر ایک قاری ہوتا ہے۔ احمد رشید بھی دوسرے Genius تخلیق کاروں کی طرح ایک قاری ہیں۔ لیکن ادب کے عام قارئین سے وہ کئی معنوں میں مختلف نظر آتے ہیں۔ ان کے ذہن میں جب بھی کوئی نیا خیال جنم لیتا ہے تو وہ فوراً اسے افسانے کے قالب میں نہیں ڈھالتے بلکہ ہفتوں، مہینوں اس پر مسلسل غور وفکر کرتے ہیں۔ پھر اُسے اپنے محسوسات کا حصہ بنا کر تخلیقی عمل کے دشوار گزار مرحلے سے گزارتے ہیں۔ وہ مظاہر قدرت کا سنجیدگی اور گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں۔ بار بار اس کی قرأت کرتے ہیں۔ معانی ومفاہیم کی نئی دنیاؤں تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور تخلیقی چشموں کو اپنے اندروں میں جذب کرنے کے بعد صفحۂ قرطاس کی زینت بناتے ہیں۔ احمد رشید کے نزدیک کہانی لکھنا ایک مشکل کام ہے۔ مسلسل غور وفکر اور مہینوں شعور کی بھٹی میں تپا کر ہی ایک اچھی کہانی لکھی جاسکتی ہے۔ ایک انٹرویو میں انھوں نے اس بات کا اظہار یوں کیا ہے:

''ناول صراحت اور وضاحت کا فن ہے۔ بہر حال اسے لکھنے کے لئے زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔ افسانہ لکھنا بھی آسان نہیں ہے۔ غور وفکر کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔ مہینوں شعور کی ہانڈی میں پکانا ہوتا ہے۔ بڑی کاوش کے بعد حیطۂ تحریر میں آتا ہے۔ یہ سوچنا ہوتا ہے کہ کیا نہیں لکھا جائے اور یہ طے کرنا بڑا مشکل کام ہے کیونکہ جو لکھا گیا ہے وہی افسانہ نہیں ہوتا بلکہ جو نہیں لکھا گیا وہ بھی افسانے کے قالب کا ایک اہم عنصر ہوتا ہے۔ تب ہی کہی گئی باتوں میں تہہ داری اور معنی خیزی پیدا ہوتی ہے۔'' (مشاہیر ادب سے مکالمہ، جلد اول، غلام نبی کمار، ص:86)

تحریر شدہ اقتباس میں افسانے کی تخلیق میں ایک اہم امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ''جو لکھا گیا ہے وہی افسانہ نہیں ہوتا بلکہ جو نہیں لکھا گیا وہ بھی افسانے کے قالب کا ایک اہم عنصر ہوتا ہے'' افسانے کے ترکیبی عناصر میں ایک عنصر اَن کہی باتوں کو جز وافسانہ کہنا یقیناً افسانہ نویسی کے سلسلے میں ان کی ادبی سنجیدگی، فنی وفکری آگہی کی نشان دہی کرتا ہے۔ انھوں نے فکشن کا نہ صرف گہرائی وگیرائی سے مطالعہ کیا ہے بلکہ اپنی بھرپور تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اردو فکشن کو متنوع، ہمہ گیر، معیاری اور قابل توجہ بنانے میں نمایاں کارنامے بھی انجام دیے ہیں۔ اور افسانہ کی تفہیم اور تخلیق کے تمام فرسودہ طریقوں کو توڑتے ہوئے اردو افسانہ کو انسانی زندگی اور سماج کی مثبت اور صالح قدروں سے ہمکنار کر کے اردو کی افسانوی کائنات کو نئی روشنی سے آشنا کیا ہے۔

اردو میں ایسی کہانیاں بہت کم لکھی گئی ہیں جن میں فن کے مابہ الامتیاز عناصر کو ایک ایک خیال انگیز مکالمہ کا ہدف بنایا گیا ہو۔ اردو میں سب سے پہلے انتظار حسین نے اپنے ایک غیر معروف افسانہ ''انجبھاری کی گھریا'' میں افسانہ کے فنی لوازمات اور اس کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی تھی۔ انتظار حسین کے علاوہ احمد ہمیش، اسد محمد خان، خالد جاوید اور صدیق عالم کی کچھ کہانیاں جزوی لحاظ سے اس طرح کا بیانیہ

خلق کرتی ہیں مگر اس سلسلے میں احمد رشید نے اپنے افسانہ ''کہانی بن گئی'' سے ایک کامیاب پیش رفت کی ہے۔اس کہانی کے توسط سے انھوں نے Story Narratology کے جملہ امکانات کو بڑی ہنرمندی سے برتنے کی کوشش کی ہے۔اس میں افسانہ کی بافت،اس کے فنی مباحث اور حیات وکائنات سے اس کے ربط وضبط پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس میں انٹرویو کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔اسی طرح ان کا ایک افسانہ ''کہانی کہتی ہے'' ان کے پہلے افسانوی مجموعہ ''وہ اور پرندہ'' کی فہرست میں پہلے درجہ میں دیباچہ کے طور پر مشمول نظر آتا ہے۔اس افسانہ کا اہم پہلو یہ ہے کہ کہانی پن برقرار رکھتے ہوئے کہانی کے ارتقائی سفر کو افسانے کی شکل میں پیش کرنے سے ان کی تخلیقی صلاحیت، افسانے کے تئیں گہری سنجیدگی اور فنی چابکدستی کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔افسانہ ''کہانی کہتی ہے'' میں صوت وصدا کے ذریعے انسان کے تہذیبی اور تاریخی ارتقا کی داستان بیان کی گئی ہے۔''کہانی کہتی ہے'' اور ''کہانی بن گئی'' دونوں ہی افسانے فن کی کسوٹی پر کھرے اُترتے ہیں۔کہانی کے کردار افسانہ کے تعلق سے اپنے نظریات کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ افسانہ نگار کے خیالات کا اظہاریہ معلوم ہوتے ہیں:

''شاید آپ کہنا چاہتے ہیں کہ انسان کا کوئی بھی عمل، دراصل اپنے آپ میں ردعمل ہوتا ہے۔۔۔

''جی ہاں۔۔۔ردعمل ہی تخلیق کی بنیاد ہے۔عمل کی کھوج بین، قانون داں، صحافت داں اور دیگر علوم کے ماہرین کرتے ہیں۔''

''منظر اور پس منظر کے درمیان فن ہے۔۔۔پیش منظر ہم دیکھتے ہیں، سنتے ہیں اور پس منظر ہم محسوس کرتے ہیں، سوچتے ہیں۔'' (افسانہ کہانی بن گئی، مشمولہ بائیں پہلو کی پسلی، ص:25)

''ایک خیال ہے کہ کہانی مرگئی!''

''جب تک کرہ ارض پر ایک انسان بھی زندہ ہے، کہانی مرنہیں سکتی۔یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہر زندگی کے اندر پوشیدہ کائنات کے رموز کا انکشاف اور اس کا بیان دیگر عمر کے ایک ایک لمحے کا اظہار از خود کہانی ہوتا ہے۔نگاہ چاہیے کہانی کی تلاش کے لیے۔۔۔'' (افسانہ ''کہانی بن گئی''، احمد رشید (علیگ)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2014، ص:26)

مذکورہ اقتباسات سے کئی باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ایک تو یہ کہ سنجیدہ کہانی کار صرف فن کار نہیں ہوتا بلکہ ایک مفکر اور دانشور بھی ہوتا ہے۔ردعمل تخلیق کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے لیکن افسانہ نگار کے خیال میں عمل اور رد عمل کی تقسیم مصنوعی اور بے معنی ہے۔ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ احمد رشید کے نزدیک کلائمکس کہانی کا لازمی جزو نہیں ہے۔کلائمکس کے بغیر بھی ایک اچھا افسانہ لکھا جا سکتا ہے۔منظر، پس منظر اور پیش منظر سے فن اپنی غذا حاصل کرتا ہے مگر احمد رشید کے نزدیک یہ تصور جزوی اہمیت کا حامل ہے۔ان کے خیال میں فن اس سے اعلیٰ درجے کی چیز ہے۔

احمد رشید کی کہانیوں میں سیدھے سادے اور معمولی واقعات بھی انوکھے اور نئے تناظر میں نظر آنے لگتے ہیں۔مسلسل غور وفکر کے بعد ان کی کہانیوں میں زیریں سطح پر ایک اور کہانی اپنے وجود کا احساس دلاتی ہے۔ان کی کہانیوں کے آغاز سے اختتام تک ایک دھندلی سی فضا قائم رہتی ہے

لیکن سنجیدگی اور گہرائی سے مطالعہ کرنے پر معنی کی پرتیں کھلتی جاتی ہیں اور کہانی آخر تک قاری کو اپنی گرفت میں لیے رہتی ہے۔اس لحاظ سے احمد رشید کی کہانیاں ''دھواں دھواں خواب''، ''چھت اڑ گئی''، ''مداری''، ''بائیں پہلو کی پسلی''، ''بجوٹ''، ''کھوکھلی گگر''، ''حاشیہ پر''، ''ایک خوبصورت عورت'' اور ''ویٹنگ روم'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مذکورہ بالا تمام کہانیاں احمد رشید کے فن کی معراج سمجھی جاتی ہیں ۔پہلے ان کہانیوں سے یہ چند اقتباسات ملاحظہ کریں:

1. ''....میں گُم صُم دھوپ میں بیٹھی تنہا رہ گئی ۔دھوپ چند لمحے پہلے رحمت تھی.... سورج سمیت بدن میں داخل ہوئی اور سخت سردی میں دل و دماغ کو نار کی مانند جلانے لگی.... سوچنے لگی بجوٹ ہونے میں میرا کیا قصور؟ دن رات جلنے کے لیے بجوٹ ہونا از خود نار جہنم ہے.... زندہ رہنا بھی ہے اور جلنا بھی ہے۔۔۔کیا میں اپنی مرضی سے بجوٹ ہوں؟ میرا بس چلے، صبح لڑکا، شام لڑکی پیدا کروں!'' (افسانہ ''بجوٹ''، مشمولہ: کھوکھلی گگر، احمد رشید (علیگ)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2019، ص:79)

2. ''کیا عورت کی ہر بات مان لینا اس کی حفاظت کرنا ہے؟.... آفتاب بولو....اب میں کیا کروں ؟....دوسروں کی حفاظت کرتے کرتے میں خود غیر محفوظ ہوگئی ہوں۔'' (افسانہ ''فیصلے کے بعد''، مشمولہ بائیں پہلو کی پسلی، احمد رشید (علیگ)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2014، ص:81)

3. ''عورت کی تخلیق ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے ....اسے سیدھا کرنے میں سختی برتی گئی تو ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے....ا....و....ر....اور میں ٹوٹ گئی ہوں.... قید ہوگئی ہوں آزادی کی جد وجہد میں ....'' (افسانہ ''فیصلے کے بعد''، مشمولہ بائیں پہلو کی پسلی، احمد رشید (علیگ)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2014، ص:82)

4. ''ایک کالی داڑھی والا آگے بڑھا....مداری نے ڈانٹتے ہوئے کہا

''ہمیں بکرا نہیں چاہیے.... ہمیں جمورا چاہیے.... بکرا تو ہم خود بنا لیں گے....(افسانہ ''مداری''، مشمولہ کھوکھلی گگر، احمد رشید (علیگ)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2019، ص:89)

5. ''....مجھے اپنی کائنات میں لے چلو جہاں عورت کو صرف عورت سمجھا جائے۔ ان ہیجڑوں کی دنیا سے میں تنگ آچکی ہوں....جہاں کوکشی کی مذمت اور انسان کشی کی حمایت کی جاتی ہے۔ جہاں مصلحت اور تقاضوں کے درمیان مرد، نا مرد ہو جاتے ہیں اور عورت رنڈی بنا دی جاتی ہے.... میرا فساد میں سب کچھ لٹ گیا....'' (ایک خوبصورت عورت ، مشمولہ بائیں پہلو کی پسلی ، احمد رشید (علیگ)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2014، ص:73)

6. ''....جیسے تیسے ویٹنگ روم میں داخل ہوا۔ اسے ویٹنگ روم عارضی وطن محسوس ہوا اور عارضی وطن ویٹنگ روم جیسا ۔وہ عارضی وطن اور ویٹنگ

روم کے فرق کو جاننے کے لیے دماغ کھپانے لگا۔'' (افسانہ ویٹنگ روم، مشمولہ بائیں پہلو کی پسلی، احمد رشید (علیگ)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2014، ص:31)

7. ''انسان جہاں ناکام ہوتا ہے وہاں سے تقدیر اور خدا کے وجود کا آغاز ہوتا ہے۔'' ڈاکٹر نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں زندگی پر تھوڑا بہت اختیار ہے لیکن موت کے آگے ہر انسان مجبور ہے۔'' معلم نے گردن ہلائی۔

''اسی مجبوری کا نام خدا ہے۔'' وکیل نے اس کی جانب دیکھا۔

''حیرت ہے، اچھے تیراک کی موت ڈوبنے سے ہوتی ہے۔ زندگی موت کے سامنے کس قدر مجبور ہے۔'' معلم نے کہا۔

''خوف گھر میں موت کا نہیں۔ غم یہ ہے کہ اپنے ہی گھر میں زندہ کیسے رہیں؟ وکیل نے اپنے حواس سمیٹتے ہوئے کہا۔

''یہ خوفناک احساس خود بخود نہیں بلکہ ہمارے اندر پیدا کیا گیا ہے۔'' معلم نے تڑپ کر کہا۔ (افسانہ حاشیے پر، مشمولہ بائیں پہلو کی پسلی، احمد رشید (علیگ)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2014، ص ص ص: 124، 125، 131)

مذکورہ اقتباسات مختلف افسانوں سے اخذ کیے گئے ہیں جو صرف موجودہ عہد کی سچائیوں کو پیش ہی نہیں کرتے بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر نئی سچائی کو جنم بھی دیتے ہیں۔ افہام و تفہیم کے نئے در وا کرتے ہیں۔ قاری کو غور و فکر پر آمادہ کر کے خود کے محاسبہ پر مجبور کرتے ہیں۔ ان افسانوں میں سیاسی مکاریاں، سیاست دانوں کے ڈھونگ، عورت کو بحیثیت انسان دیکھنے پر زور دیتے ہیں اور اُسے بااختیار بنانے کی مجوزہ حکمت عملی کو نشان زد کیا گیا ہے۔ یہ صرف جملے نہیں ہیں بلکہ فنکار کے مضطرب جذبات و احساسات کا عکس ہیں۔ ایسے سوالات ہیں، جو ہر ذی شعور قلمکار کے ذہن پر دستک دیتے ہیں۔ یہ تمام امور جملے کی حدود کو پار کر کے ایک نظریہ اور فلسفہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

احمد رشید نے اپنے افسانوں کو ماورائی تصورات اور تہذیب و تاریخ کے آغاز و ارتقاء کو عوامی مسائل اور زمینی حقائق سے جوڑنے کی سعی کی ہے۔ انھوں نے ایک طرف ماورائیت، تو دوسری طرف عصری مسائل سے ارتباط قائم کر کے فنی چابکدستی اور تخلیقی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی کہانیاں استعاراتی، تمثیلی اور علامتی ہونے کے باوجود کثیر الجہتی حسی بیانیہ کی تخلیق کے امکانات کو پیش کرتی ہیں۔ احمد رشید کو تخلیق کائنات کے موضوع سے خصوصی دلچسپی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیاں نئے سیاق و سباق میں عصری زندگی کے تضادات و تصادمات کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی نظر آتی ہیں اور غور و فکر پر مجبور کرتی ہیں۔ موجودہ سماج اور معاشرہ کی بے یقینی، حالات کی بے اطمنانی اور بے چینی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ کائنات کے آفاقی اور اساطیری کرداروں کو عصری ماحول سے مربوط کرنے کی ان کے یہاں ایک با معنی کوشش نظر آتی ہے۔ بقول شافع قدوائی ''زندگی کے مختلف مظاہر، اس کی رنگا رنگی، بوقلمونی اور ارتقاء و افزونی کے مختلف مراحل کو قدیم آرکی ٹائپ سے مربوط کرنا اور تخلیق کے ازلی متھ کی معنویت (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نیازؔ جیراجپوری۔اعظم گڑھ، یوپی

دُعا

جو تھی پچھلے برس ہے وہی اِس برس اِلتجا اے خُدا
کل جو مانگی وہی آج بھی مانگتا ہُوں دعا اے خُدا

رنگ میں رنگ مِل جاتے ہیں جس طرح ایسے ہمکو مِلا
فاصلے درمیاں جو دِلوں کے ہیں اُن کو مِٹا اے خُدا

اے خُدا! موسمِ نفرت و بُغض و رنجش کو کر فصلِ گُل
پُھول اخلاص و اُلفت کے سبکے دِلوں میں کِھلا اے خُدا

تیرے بندے مسائل سے دو چار ہیں اور پریشان ہیں
تُو ہے مُشکل کُشا مُشکلیں سب کی آساں بنا اے خُدا

آگ فِرقہ پرستی کی جو پھیلتی جائے ہے ہر طرف
برسا چاروں دِشاؤں میں تُو ایکتا کی گھٹا اے خُدا

اپنا مقصد مفاد اور کُرسی جنہیں دیش سے پیاری ہے
ایسے بہُروپیا لیڈروں سے وطن کو بچا اے خُدا

صُوفیوں سنتوں گُرووں کے اِس دیش کا نام زِندہ رہے
تُو عبادت گھوں کو یہاں ٹُوٹنے سے بچا اے خُدا

نام پر دھرم مذہب کے جو کرتے ہیں قتل و غارت گری
ذہن و دِل کے ہیں کالے اِنہیں روشنی کر عطا اے خُدا

بُھوکے ننگوں پہ سایہ فگن تیری رحمت ہو آٹھوں پہر
دُھوپ میں مُفلسی کی اِنہیں جلنے سے تُو بچا اے خُدا

موسمِ ہجر میں وصل کی آس میں آہیں بھرتے ہیں جو
سُنتا ہے سب کی تُو سُن لے اِنکے دِلوں کی صدا اے خُدا

بیٹھے ہیں منتظر جو دِیا رکھ کے اِمکاں کا دہلیز پر
آہٹ اور سائے اِن کے لئے تُو مجسّم بنا اے خُدا

رُوپ کے گاؤں میں پیار کی گلیوں میں جو ہیں بھٹکے ہُوئے
اُن کی منزِل ہو آساں اِنہیں راستہ تُو دِکھا اے خُدا

دِل دھڑکتے ہیں آنکھوں میں جن لوگوں کے سُرخرو کر اِنہیں
ہر قدم زندگی کا اِنہیں لُوٹنے دے مزا اے خُدا

پیار سے پیاری اُردو زُبان جو مسائل سے دو چار ہے
بُغض و نفرت، حسد اور سازِش سے اِس کو بچا اے خُدا

ہر سحر لائے پیغام خوشیوں کا اور شب کٹے چَین سے
قید سے رنج و غم کی تُو ہر ایک کو کر رِہا اے خُدا

اب نیازؔ اِس سے زیادہ کہے اور کیا صِرف اِتنا بہت
کل بھی تھا، آج ہے اور رہے گا تِرا آسرا اے خُدا

(بقیہ ص:۱۸ کا)

عصری سماجی تناظر میں واضح کرنا احمد رشید کے افسانوں کے فن کا بنیادی رمز ہے۔''

نفس الامر یہ ہے کہ احمد رشید کے افسانے پڑھتے وقت قاری کے اندر ایک قسم کا اضطراب اور تجسس کی کیفیت برقرار رہتی ہے۔ان کے افسانوں کی زبان کافی معیاری ہوتی ہے۔ان کے جملے بے پناہ بلیغ اور پُر معنی ہوتے ہیں۔وہ خیالات کو نہایت جامع انداز میں پیش کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ان کے افسانوں میں موضوعی اور مخصوص قسم کی ارتکازی فکر کی بھی کارفرمائی ہوتی ہے۔ان کے یہاں اسلوبیاتی اور ساختیاتی نظام ایک طلسماتی کیفیت اختیار کر لیتا ہے۔ظاہری حسن و دل کشی اور معنوی تہہ داری کے علاوہ موزوں تشبیہات، بامعنی استعارات، قابلِ فہم تلمیحات، اساطیر اور اشاروں کنایوں کے حسبِ ضرورت استعمال نے ان کی افسانوی زبان میں تاثیر اور افسانے میں ترسیلی دل آویزی پیدا کردی ہے جو عصری افسانہ نگاری میں ان کی شناخت کی وجہ بن جاتی ہے۔

ڈاکٹر راحیلہ خورشید۔پشاور، پاکستان

ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی کی غزلیات میں ماضی پرستی
(دخترِ نیل کے تناظر میں)

اس کے ہر لفظ میں ہے اس لیے سمٹی خوشبو
دخترِ نیل کی سانسوں میں گھلی ہے اردو

عین شمس یونیورسٹی (مصر) میں شعبہ اردو کی ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر ولاء جمال دنیائے اردو ادب میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ "سمندر ہے درمیان" سے "دخترِ نیل" تک کے سفر میں شاعرہ نے اپنی الگ شناخت برقرار رکھی۔ اگرچہ ان کی مادری زبان عربی ہے۔ اس کے باوجود اردو میں وہ اشعار کی جو قوس قزح سجانے کا ہنر رکھتی ہیں۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ڈاکٹر ولاء اس حوالے سے خوش قسمت ہیں۔ کہ ان کو زندگی کے ابتدائی دور میں ہی عروج، شہرت اور عزت کے ساتھ بے پناہ محبت حاصل ہو رہی ہے۔ اردو غزل کی دنیا میں عصری ضرورت کو مدنظر رکھ کر اپنے مخصوص اسلوب کے ذریعے پزیرائی حاصل کرنے والی ڈاکٹر والاء اپنی شاعری میں ہجر و وصال، انسانی رویوں اور نظریاتِ زندگی کو ماضی کے ساتھ مربوط کر کے شاعری کو ان دیکھی معراج پر پہنچا دیتی ہیں۔

دل سے میری یادوں کو رہا کیوں نہیں کرتے
تم پھولوں سے خوشبو کو جدا کیوں نہیں کرتے

دراصل ماضی سے تعلق نبھانے کی خوبی کسی کسی لکھاری کو نصیب ہوتی ہے۔ بحیثیت انسان ہم اپنے ماضی سے جڑے رہنے میں ہی بقا سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر ولاء کی شاعری میں ماضی کی تلخ اور شیریں واقعات کی بازگشت صاف سنائی دیتی ہے۔ وہ ایک خاص پیرائے میں اپنے جذبات کو بیان کرتی ہیں۔ جن مقامات پر وہ ماضی پرستی سے لاتعلقی بھی اختیار کرتی ہیں۔ وہاں بھی داخلی اور خاص طور پر نفسیاتی حوالے سے ماضی سے رشتہ توڑنے پر آمادہ دکھائی نہیں دیتیں۔

اکیلا پا کے مجھ کو تیری یادیں بات کرتی ہیں
جو تو نے پیار میں کھائیں وہ قسمیں بات کرتی ہیں
پھر سے کسی کے عشق میں جلنے لگا ہے دل
پھر روح مبتلا ہے پرانے عذاب میں

اردو شاعری میں سوکھے ہوئے پھول ماضی کی علامت گردانے جاتے ہیں۔ اسی طرح خطوط بھی دم توڑتی روایت کا نوحہ ہیں۔ ڈاکٹر ولاء بھی بھولے وعدوں، ٹوٹی قسموں، سوکھے پھول اور خطوط کو ماضی کی قبریں کہہ کر ربط نہ رکھنے کی دعوی دار ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر میں محبت کی جذبات سے جڑی ہر علامت قصہ پارینہ بن چکی ہے۔

بھولے وعدے، ٹوٹی قسمیں، سوکھے پھول، تمہارے خط

میرا کوئی ربط نہیں ہے ماضی کی ان قبروں سے
برسوں سے کوئی خط نہیں آیا مرے گھر پر
اب نامہ یہاں لوگ لکھا کیوں نہیں کرتے

انسانی فطرت ہے۔کہ وہ حال میں زندگی گزارتے ہو؟ماضی کی گلی کوچوں،حویلی،دالانوں اور جھروکوں میں جھانکنا پسند کرتا ہے۔کیونکہ ماضی صرف کڑوی یادوں کا حوالہ ہی نہیں بلکہ زخموں کو مندمل کرنے کا سہارا بھی ہے۔بعض زخم اسے بھی ہوتے ہیں جن کی نفسیاتی کیفیت کا تعلق ماضی کے کسی خوشگوار ناخوشگوار واقعے سے جڑا ہوتا ہے۔ڈاکٹر ولاء وہ انسان ہونے کے ناطے ماضی کے کھنڈرات کو دل کا اساس قرار دے رہی ہیں:

ماضی کے ریگزار میں یادوں کا اک کھنڈر
اتنی ہی اے ولاء مرے دل کی اساس ہے

شاعرہ نے جابجا ماضی پرستی کا تانا بانا انسانی نفسیات کے ساتھ بنا ہے۔انسانی نفسیات میں یہ عنصر نمایاں رہا ہے۔کہ وہ ماضی کی آنکھوں سے حال اور مستقبل کو مناظر بھی دیکھتا ہے۔ڈاکٹر ولاء بھی اس موضوع کو شعری قالب میں اس طرح ڈھالتی ہیں۔کہ یادوں کیلئے خزانہ کا لفظ استعمال کر کے یہ ثابت کیا۔کہ کوئی بھی دوسرا فریق ہم سے ہماری یادیں نہیں چھین سکتا۔اور بہت سے لوگ یادوں کے سہارے ساری زندگی بتا دیتے ہیں۔

سب چھین کر بھی چین نہ پائے ہو جس کو تم
یادوں کا وہ خزانہ ابھی میرے پاس ہے
یادوں کا اک ہجوم ستاتا ہے رات بھر
ماضی کے سب چراغ جلاتا ہے رات بھر

عام طور پر ناسٹلجیا کو صرف پاکستان اور ہندوستان کے لکھاریوں سے ہی موسوم کیا جاتا ہے۔کیوں کہ تقسیم ہند اور ہجرت کے واقعات کے کرب نے نسٹالجیا کو جنم دیا۔لیکن اب ادب میں اسے عالمی سطح پر ماضی کے جذبات و احساسات کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔ڈاکٹر ولاء کی شاعری میں ناسٹلجیائی قوت پوری شدت سے موجود ہے۔وہ صرف انفرادی غموں پر نوحہ خواں نہیں بلکہ مسلمانوں کی عظیم انسان ماضی کے حوالے سے بھی قارئین کو ماضی کا پردہ سرکانے پر مجبور کرتی ہیں۔

پلٹ کر آیا نہیں پھر کوئی صلاح الدین
اسی کی یاد میں روتے ہیں مسجد اقصی

یہ دنیا اپنے دامن میں خوشی و مسرت کو لئے ہوئے ہیں۔نشاط و غم کا سلسلہ در سلسلہ انسانی حیات کے ساتھ تو جڑا ہوا ہے۔مگر کچھ غم اس قدر دردناک ہوتے ہیں۔کہ ایک غم ہزاروں خوشیوں پر غالب آجاتا ہے۔اس وقت کوئی بھی انسان جس اداسی،دردناکی،اور مایوسی سے گزرتا ہے۔تو اس صورت میں وہ مہربان بھی یاد دیتے ہیں۔جو نامساعد حالات میں آنکھیں پھیرنے کے ہنر میں یکتا تھے۔وقت بہرحال گزر ہی جاتا ہے۔مشکل میں ہاتھ ہلا کر دور ہونے والے جب پھر سے دل کی تاروں کو ہلانا چاہیں۔تو پھر ڈاکٹر ولاء کا یہ شعر ہی بہترین جواب قرار دیتا ہے۔

میں تم پر جان لٹاتی اور تمہاری ہو کے رہ جاتی
جو میرے ساتھ تم ہوتے مرے ماضی کے سالوں میں

☆☆☆☆

فاروق طاہر۔حیدرآباد،انڈیا

ڈسپلن سے غربت کو مات دیں

تحقیقات کے مطابق معاشی دباؤ آدمی کو کسی بھی پریشان صورت حال سے نمٹنے کی علمی و ذہنی صلاحیت سے محروم کردیتا ہے۔روزمرہ زندگی کیاخراجات کی تکمیل کی بھاگ دوڑ،آدمی کے نظم وضبط اور فکری صلاحیتوں کواس قدر کمزور کردیتی ہے کہ دیگر مسائل اس کیلیے غیر اہم ہوجاتے ہیں۔اکثر معاشی بحران کی وجہ سے ہنگامی اور اضطراری حالات وجود میں آتے ہیں۔اضطراری حالت میں جوبھی راستہ نظر آتا ہے آدمی اسی پر گامزن ہوجاتا ہے۔دباؤ کے نتیجے میں نظم وضبط کو چھوڑ دینا ایک فطری عمل ہے۔نظم وضبط کی پابندی سے ہمارے اعصاب وحواس مضبوط ہوتے ہیں۔مضبوط اعصاب کے افراد مشکل حالات میں بھی نہ صرف اپنے ہوش وحواس کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ ان سے بخوبی باہر نکلنا کا ہنر بھی جانتے ہیں۔ہمیں نظم وضبط کی پابندی کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ ہمارے اعصاب مضبوط ہوں اور مشکل ترین حالات میں بھی ہماری ذہنی صلاحیتیں ماؤف نہ ہوسکے۔ذہنی افلاس معاشی افلاس سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ہمیشہ اس سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

مالی دباؤ(کسی بھی قسم کے دباؤ) سے آدمی بہت جلد بے سکون ہوجاتا ہے۔غربت کی وجہ سے لالچ،فتنوں اور جعلسازیوں سے مقابلہ کرنا آدمی کے لیے مشکل ہوجاتا ہے۔مالی دباؤ سے جہاں ذہنی دباؤ پیدا ہوتا ہے وہیں اس دباؤ کے زیر اثر آدمی غلط فیصلے کر بیٹھتا ہے۔غلط فیصلے آدمی کو غربت سے کبھی باہر نکلنے نہیں دیتے۔غلط فیصلوں سے مالی حالات ہی نہیں صحت روزگار اور مستقبل بھی متاثر ہوجاتا ہے۔ہماری مالی جدوجہد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہماری قسمت خراب ہے۔اپنی ذمہ داریوں سے آگہی ہمیں، مسائل کی جڑ تک پہنچ کر اسے حل کرنے،حالات پر قابو پانے اور آگے بڑھنے کی صلاحیت عطا کرتی ہے۔

قرض لے کر کاروبار کرنا اور اس پر مستزاد سودی قرض کے سہارے نیا کاروبار کرنا ایک بہت بڑی حماقت ہے۔آدمی روزانہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس بوجھ کے نیچے دبتا چلا جاتا ہے۔وہ پہلے کیا کرتا تھا اب کیا کر رہا ہے اور آگے اسے کیا کرنا ہے ان چیزوں سے بے خبر صرف اس کے ذہن پر قرض ادائیگی کا بھوت سوار رہتا ہے۔اسی ادھیڑبن میں آدمی اپنی ذمہ داریوں کو بہتر طریقہ سے ادا نہیں کرپاتا اور اس کی کارکردگی متاثر ہونے لگتی ہے اگر وقت پر توجہ نہ دیں اور اپنی بچت کو بروئے کار نہ لائے تو پھر کاروبار بند ہونے سے نہیں بچ سکتا۔ان امور پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ روپے کمانے سے سکون اصل نہیں ہوتا۔سکون،اطمینان اور خود اعتمادی کے لیے کچھ پس اندازی ضروری ہے جو برے وقتوں پر کام آسکے۔آدمی چند روپے ہی کیوں نہ کماتا ہو،اسی کے مطابق اسیا اپنے خرچ کی منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔اپنی کمائی سے کچھ نہ کچھ پس اندازی کے جتن کرنے چاہیے،تاکہ کسی بھی معاشی بحران اور دباؤ سے ممکنہ طور پر بچا جاسکے۔پس اندازی کا مطلب ہے کہ اپنے آپ کو ذہنی خلفشار اور خوف واضطراب سے محفوظ رکھنا۔ضروری اخراجات کے علاوہ کسی اور مد پر خرچ کرنا فضول خرچی اور اسراف کہلاتا ہے۔

اگر آپ مالی مسائل سے دوچار ہیں،تو جتنی جلدی ہو سکے قرض سے نکلنے کو اپنی ترجیحات میں سے اولین ترجیح بنائیں اور ایک ایسا ہنگامی فنڈ بنائیں جس میں آپ کے کم ازکم تین سے چھ ماہ کے بنیادی اخراجات پورے ہوں۔یہ منصوبہ بندی آپ کی مالی صحت کو بہتر بنانے کے علاوہ، ڈرامائی طور پر آپ کے تناؤ کو کم کرے گا۔جامع معاشی منصوبہ بندی آدمی کو وقتی راحت کے حصول کے بجائے مستقبل کی تعمیر اور دائمی سکون واطمینان کی فراہمی اور بہتر فیصلہ سازی میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

Overcome Poverty through Self-Discipline

Farooq Tahir, Hyderabad,India, farooqaims@gmail.com,9700122826

According to research, economic pressure deprives a person's cognitive and mental ability to deal with any stressful situation. The struggle to meet the daily expenses of the life weakens a man's discipline and intellectual abilities to such an extent that other problems become unimportant for him. Often due to economic crisis, uncertain conditions and emergency situations arise. Due to uncertain and stressful conditions becomes unclear about his ambitions and goals. Relinquishing discipline as a result of stress is a natural process. By following discipline, we become cognitively strong and strong enough to face any untoward condition and hardship. People with strong nerves not only have the ability to control their senses but also know how to tackle and get out of the difficult situations. We should strictly adhere to self-discipline, so that we should become mentally strong to face any difficulty. Mental bankruptcy is more dangerous than the financial bankruptcy. We should always try to avoid it.

Financial pressure (any kind of pressure) makes a person restless very quickly. Due to poverty, it becomes difficult for a person to fight against temptations and frauds. Financial Pressure creates mental pressure. Under the influence of any pressure man takes wrong decisions. We know better that wrong decisions never let a man to come out of the poverty. Bad decisions affect not only the financial affairs, but also the health conditions, employment and future of any person. Our financial struggle does not mean that we are unlucky and had a bad life. This gives us the ability to reach to the root of the cause and move ahead.

Starting a new business with a loan and that too of interest based will be a foolish act. Unwantedly the burden will be mounted every day. Under this pressure man remains unaware of what he used to do in the past, what he is doing now and what he has to do in future. While combating these situations, a person fulfills his responsibilities in a better way and his performance sooner or later starts to be affected. As one reached the maturity, knows that earnings seldom bring peace and comfort. For peace, satisfaction and self-confidence, savings are necessary which can be used in hard and tough times. A man should plan his expenses according to his income, even if he earns only a few rupees it need planning. You should save some of your earnings to save yourself from any economic crisis and pressure. Prudence means to protect oneself from mental distractions and fear and anxiety. Expenditure on other than necessary expenditure is called wasteful expenditure and extravagance. It must be avoided.

If you are struggling with debts, get out of it as early as possible. On priority based chalked out an emergency fund that covers at least three to six months of your basic expenses. In addition to improving financial health, it will dramatically reduce your stress. Comprehensive financial planning helps a person to build a bright future and provide lasting peace of mind and betterdecision-making, rather than seeking temporary relief

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی-عربی لیکچرار مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

فارغین ندوہ گروپ اور ارشد اعظمی رحہ کا کردار!!

(دوران پرواز بنارس۔بمبی جاتے ہوئے سکوت قلب کیوجہ سے اچانک انتقال)

آج مورخہ 10/ جنوری 2023۔ فارغین ندوہ گروپ پر جو خبر بجلی بن کر گری، جس نے گروپ پر ایک ہلچل مچا دی، احباب ورفقاء جس سے بڑے بے چین ہو گئے، وہ بالکل توقع کے خلاف خبر تھی، جس سے کتنی آنکھیں اشکبار ہوگئیں!! کتنے دل مغموم ہوگئے!! رنج وغم کا سماں قائم ہو گیا! افسوس کی فضا قائم ہوگئی! تأثرات کا سلسلہ جاری ہو گیا! جسکا احباب ورفقاء نے تصور بھی نہیں کیا تھا، جو ہمارے وہم وگمان اور حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا، اچانک وہ اندوہناک حادثہ ہمارے ساتھ پیش آ گیا، گروپ پر جو زیادہ بیباک، بے خوف اور نڈر سمجھا جاتا تھا، انکی باتوں کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور انکو لائق اعتنا اور انکے مشوروں کو قیمتی سمجھا جاتا تھا، وہی فعال ندوی داغ مفارقت دے گیا، جو جود وسخا کا پیکر اور خیر وخوبی کا علمبردار اور انسانیت کا بہی خواہ تھا، وہی نشیط اور جوانمرد چل بسا، جو بھاری بھرکم جسم اور طاقتور قد وقامت کا تھا، وہی بہادر ساتھ چھوڑ گیا، جو ہنستا کھیلتا مکھڑا اور خوبرو صورت وسیرت کا تھا، وہی رفیق درس جدا ہو گیا، جسکی صحت وتندرستی پر کسی قدر بھروسہ تھا، وہی ہمارے درمیان سے چلا گیا۔۔۔آنکھوں کا تارا! دل کا دلارا! وہ ارشد ہمارا۔۔۔آج اک سکوت قلب سے قیامت ہی ڈھا گیا۔

اب جس پر کوئی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ رہا ہے تو کوئی اللہ سے غریق رحمت ومغفرت ہونے کی دعائیں کر رہا ہے، ہمارے لئے یہ ایک جانکاہ حادثہ سے کچھ کم نہیں ہے! یہی وجہ ہے کہ جس کی تاب نہ لاکر بعض احباب بلکتے، روتے اور اچانک انکی جدائی پر تڑپتے نظر آرہے ہیں، جو کوئی بھی اس خبر کو سن رہا ہے، ہر شخص اس حادثہ پر اپنے درد والم کی داستان سنا رہا ہے، کوئی اپنی مصیبت کا اظہار کر رہا ہے تو کوئی اس تکلیف پر ماتم کناں بنا ہوا ہے، اپنے دوست اور رفیق کی موت پر صدمے اور افسوس کا اظہار فطری ہے، اسی لئے کوئی اپنے اپنے قیمتی تأثرات کو قلمبند کر رہا ہے، تو کوئی انکے محاسن کو اجاگر کر رہا ہے، کوئی مضمون لکھ کر اپنے پوشیدہ غم کو زمانے سے بیاں کر رہا ہے، تو کوئی تدفین وتجہیز میں شرکت کی تیاری کر رہا ہے، حیرت ہے کہ ہمارے درمیان سے متنوع صفات کا حامل ہمدم، ایک زندہ دل انسان اور ایک متحرک وفعال کارکن چلا گیا، جو گوناگوں اوصاف وکمالات کا جامع وپیکر تھا، اسی بات کی ایک ادنی کوشش اس حقیر فقیر رنجور راقم نے بھی کی ہے۔تقبل اللہ منا ومنکم صالح الاعمال۔ ہم بھی اپنے مرحوم ومغفور دوست کیلئے خراج عقیدت پیش کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ قبول فرمائے۔

یادش بخیر جب وہ تصور میں آ گیا
شعر و شباب و حسن کا دریا بہا گیا

جب عشق اپنے مرکز اصلی پہ آ گیا
خود بن گیا حسین۔ دو عالم پہ چھا گیا
جو دل کا راز تھا اسے کچھ دل ہی پا گیا
وہ کر سکے بیاں، نہ ہمیں سے کہا گیا
ناصح فسانہ اپنا ہنسی میں اڑا گیا
خوش فکر تھا کہ صاف یہ پہلو بچا گیا
اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا
دل بن گیا نگاہ نگہ بن گئی زباں
آج اک سکوت شوق قیامت ہی ڈھا گیا
میرا کمال شعر بس اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

گروپ کو ارشد اعظمی ندوی رحمہ اللہ کے سانحہ ارتحال کی خبر سب سے پہلے سکریٹری گروپ جناب مولانا نجیب الحسن صدیقی ندوی نے دی، جو امید کے خلاف خبر تھی اور وہ ایک سنجیدہ اور ذمہ دار ساتھی بھی ہیں، پھر بھی فوراً دل میں یقین کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی، جب اس کی کچھ تفصیل بانی گروپ جناب ڈاکٹر وقار الدین لطیفی ندوی نے بتائی، جو مرحوم دوست کی داستان جدائی بیان کر رہی تھی، جسے تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا!! پھر کیا تھا؟! گہرے رنج و الم کا اظہار، زخموں سے چور، غموں سے رنجور تعزیتی کلمات وتاثرات کا تانتا بندھ گیا، جس کا سلسلہ اب تک جاری و ساری ہے۔ بہت افسوس کیساتھ کہ۔۔ آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں۔۔۔ سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں۔۔ آجائیں رعب غیر میں ہم وہ بشر نہیں۔۔ کچھ آپ کی طرح ہمیں لوگوں کا ڈر نہیں۔۔ اک تو شب فراق کے صدمے ہیں جاں گداز۔۔ اندھیر اس پہ یہ کہ ہوتی سحر نہیں۔۔

بالآخر اس صدمے نے راقم الحروف پر بھی گہرا اثر مرتب کیا، دل کی دنیا میں ایک سکوت سا چھا گیا، فانی دنیا سے دل اچٹنے لگا، جسم پر کپکپی طاری ہوگئی، طبیعت بوجھل ہوگئی، دعائیں پڑھتے ہوئے آنکھیں نمناک ہو گئیں، آنسوؤں کو کپڑوں سے چھپانا چاہا مگر بیگم نے کیفیت دیکھ لی، خیریت دریافت کی، رونے کا سبب بتانا ہی پڑا، وہ بھی شریک رنج والم ہوگئیں، ڈیوٹی کا عین وقت تھا، تیاری مکمل ہو چکی تھی، مگر قدم اٹھانا آسان نظر نہیں آیا، حیران وششدر بن کر کافی دیر گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکا۔ موت سے کسکو رستگاری ہے۔ آج وہ!!! کل ہماری باری ہے!!

کون جانتا تھا کہ ارشد اعظمی صاحب کی بنارس سے بمبی کی پرواز آخری پرواز ثابت ہوگی، جہاں وہ کافی دنوں سے مقیم تھے، وہیں انکا بزنس تھا، اعظم گڑھ سے وہ بمبی واپس جا رہے تھے اور اکثر وہ فلائٹ سے ہی آیا جایا کرتے تھے، اتفاق سے اس دن فلائٹ شام کی تھی اور وہ چار گھنٹے لیٹ ہوگئی، سردی سے بچاؤ کا ان کے پاس کوئی معقول بندوبست نہیں تھا، انتظار کے وقت سردی کا اثر ہوا، پہلے سے بھی وہ شوگر اور بلڈ پریشر کے مریض تھے، دوران پرواز مرحوم ارشد اعظمی ندوی پر قلب اور دماغ پر دوریکا اثر پڑا، بمبی پہونچکر ہسپتال لے جایا گیا مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں آئی بالآخر ۸ جنوری کی صبح تین بجے ان کی زندگی کا آخری لمحہ اور وقت ثابت ہوا، جس کو سن کر کلیجہ پھٹ گیا، ایسا لگا کہ کسی نے جگر پر پتھر پھینک کر مار دیا ہو!! یہی کہہ کر اپنے اور بے قرار دلوں کو اطمینان دلا سکتا ہوں کہ تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا۔۔۔ ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں۔ اللہ بردار مرحوم ارشد اعظمی

کو غریق فضل ورحمت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب کرے۔۔۔آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔۔۔سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے۔

انتہائی رنج وغم کے عالم میں لمحہ لمحہ جب رفیق درس ارشد اعظمی ندوی کی یادوں نے ستانا شروع کردیا، جن کی خوش مزاجی نے راقم کو انکا گرویدہ اور خوش بیانی نے انکا مسحور بنا رکھا تھا، جن کی فکر ونظر اور بلند نگاہی سے فارغین ندوہ 98 گروپ پہلے سے روشناس تھا، ہماری ان سے مکمل شناسائی اسی گروپ کے ذریعے ہوئی تھی۔ انکے انتقال کی خبر سنتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ ہم نے اپنا کوئی رشتہ دار یا سگا بھائی کھو دیا ہے، جن کو احباب انکی دور بینی اور بلند نگاہی کیوجہ سے علامہ علامہ کہہ کر پکارتے تھے، وہ بڑے ہنس مکھ تھے، ان کی کسی بات کا احباب برا نہیں مانتے تھے، بلکہ ان کی فکروں سے مستفید ہوتے تھے، ان کی تحریروں کو جی لگا کر پڑھتے تھے، ان کے مشوروں کا بہت احترام کرتے تھے، ان کی باتوں سبھم لوگوں کو بڑی ہمت وقوت پیدا ہوتی تھی، وہ کم لکھتے تھے مگر لکھتے لکھتے لکھاڑ بن گئے تھے، انکی موجودگی گروپ میں باعث رونق وزینت تھی، مگر مالک کو کچھ اور ہی منظور تھا، اللہ ان کی تمام خوبیوں کو قبول فرمائے اور انکو اس کا نعم البدل عطا کرے۔

فارغین ندوہ گروپ کا ہم لوگوں پر یہ بڑا احسان ہے کہ مدتوں بعد جس نے ہمیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا، لمبی جدائیگی کے بعد پھر آپس میں جوڑا، اللہ عزوجل جوڑنے والے کو سدا خوش وخرم رکھے اور ان کی عمریں دراز فرمائے، اس کے نتیجے میں ہم ایک دوسرے سے پھر ویسے ہی شیر وشکر ہو گئے جیسے ہم دوران درس وتدریس تھے، بلکہ اسکی نوعیت وافادیت اور دوچند ہوگئی، جس کا اندازہ ہر صاحب علم وفکر ساتھی کو بخوبی ہوگا۔ بیس سال کے طویل عرصے بعد بچھڑے ساتھیوں کو آپس میں ملایا گیا، ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہم اپنے گھر لوٹ آئے ہیں، سوشل میڈیا کے ذریعے ایک روم اور کلاس میں لمبے فراق وجدائی کے بعد جمع ہوئے ہیں، جہاں ہم خوش گپیاں بھی کرتے ہیں اور کام کی باتیں بھی کرتے ہیں دوسروں کے دکھ درد میں شریک بھی ہوتے ہیں اور اپنے احوال وکوائف سے بھی واقف بھی کراتے ہیں، جہاں ہم طنز ومزاح کی مجلسیں بھی سجاتے ہیں اور ہنسی ومذاق کے ماحول سے اپنے تھکان وپریشانی کو ختم بھی کرتے ہیں، وہیں شعروادب کی محفلوں سے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کا خیال بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔

اس گروپ کی یہ بھی کرم فرمائی ہے کہ اس میں رہ کر ایسا محسوس کرتے ہیں کہ گویا ہم اپنے رشتہ داروں اور خاندانوں کے درمیان ہیں، جہاں سے ہمیں نفس کی اضمحلالی دور ہوتی ہے، طبیعت کو تروتازگی ملتی ہے اور فرحت وانبساط کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، مکدر ذہن کی صایئ ہوتی ہے، یہی وہ اسٹیج ہے جہاں سے ہمیں آسانی سے مسئلے مسائل کا حل بھی ملتا ہے، حالات وواقعات سے واقفیت بھی ہوتی ہے اور قوم وملک کے حق میں مثبت بات چیت ہوتی ہے، اسی طرح سیادت وقیادت کے ٹوپک پر ڈبیٹ بھی ہوتا ہے۔ جہاں عقیدت ومحبت کا ماحول قائم ہوتا ہے، یکجہتی اور یگانگت کی گفتگو ہوتی ہے اور الفت ومحبت کی فضا قائم ہوتی ہے، نفرت وعداوت کے ماحول کو الفت ومحبت کے ماحول سے بدلنے کی مختلف آراء آتی ہیں، کوئی اس پر مقالہ لکھتا ہے تو کوئی اپنے کمنٹس سے اس کی تائید وتردید کرتا ہے، کوئی

حوصلہ افزائی کرتا ہے تو کوئی مقالہ اور مضمون نگار کا حوصلہ بڑھاتا ہے، کوئی اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتا ہے تو کوئی اپنی بیدار مغزی سے جذبات کی رو میں بہہ جانے سے روکتا ہے اور نفس پر کنٹرول رکھنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے اور معتدلانہ مزاج پیدا کرنے کی رہنمائی کی جاتی ہے، تخلیقی ذہن پیدا کیا جاتا ہے اور تخریبی ذہن سے بالاتر ہو کر تعمیری ذہن اور کردار سے لیس ہونے کی بھرپور ترجمانی ہوتی ہے، کبھی اس پلیٹ فارم سے احباب و رفقاء کو متعدد رہنمائی کی جاتی ہے تو کبھی اس گروپ کے جھنڈے تلے عظیم الشان اجلاس کی پلاننگ ہوتی ہے، کبھی دوروزہ اجلاس کے ذریعے احباب کو ایندھن فراہم کیا جاتا ہے، اور اسی اسٹیج سے مستقبل کا لائحہ عمل تیار کیا جاتا ہیاور حالات سے مقابلے اور چیلنجز سے نمٹنے کا ایجنڈا تشکیل پاتا ہے۔ غرض کے یہ ایک ایسا سماجی، اصلاحی، ایمانی، تعلیمی، اخلاقی، روحانی اور انسانی خیر خواہی کا اسٹیشن بن گیا ہے جہاں سے احباب و رفقا اپنے مادر علمی اور اساتذۂ کرام سے بھی جڑ گئے ہیں ادارے کی امداد اور ضرورت مند احباب و رفقاء کی ضرورت پر بڑھ چڑھ کر حصہ بھی لیتے ہیں اور اپنا قیمتی تعاون پیش کر کے اپنی اخلاقی ذمہ داری کا بھرپور ثبوت پیش کیا جاتا ہے، اساتذۂ کرام اور احباب کے بچھڑنے پر تاثرات پیش کر کے بہترین خراج عقیدت بھی پیش کیا جاتا ہے، کوئی اپنے اشعار سے ان کی ترجمانی کرتے ہیں تو کوئی مضمون سے عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

اپنے احباب و رفقاء کی کیا کیا خوبیاں بیان کیا جائے! آج جب کہ سب پر رنج و غم کا ماحول طاری ہے، کوئی بلکتا اور روتا ہوا نظر آرہا ہے تو کسی پر بجلی ٹوٹ پڑی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو!! کیونکہ ہمارا خوش مزاج ساتھی جو انہی خوبیوں کا حامل اور انہی صفات کا جامع و پیکر تھا! آج ہم سے وہ مرد باوفا، فعال نوجوان، فارغ ندوہ اور عالیہ عرفانیہ کا بہترین پروڈکٹ اور ہمارا رفیق درس و تدریس ہمیشہ کیلئے الوداع کہہ گیا۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ قارئین کرام سے بھی خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

کشور سلطانہ۔ حیدرآباد

غزل

آؤ چلو کچھ بات کریں گے
گہری گہری جھیلوں کی
پیارے پیارے پھولوں کی
شبنم شبنم قطروں کی
کچھ امرت کے دھاروں کی
کچھ زرین خیالوں کی
اُجلے سے خوابوں کی
صبح نو کی بہاروں کی
شام کے روشن تاروں کی
ہردم دیتی دُعاؤں کی
صدقے ہوتی نگاہوں کی
ممتا سے پُر گودی کی
ماں کی پیاری آنکھوں کی
آؤ چلو کچھ بات کریں گے

مولاناطارق شفیق ندوی

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

عالم اسلام کی مشہور ومعروف دینی وملی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے معتمد تعلیم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ایک بے مثال معلم، ایک مشفق مربی، ایک جرأت مند صحافی، ایک عظیم دانشور، ایک سلیم الفکر ادیب اور ایک انتہائی رحیم وکریم انسان تھے اور حسن وحسین کے عکس جمیل تھے، میں نے اب تک اپنی زندگی میں ایسے شریف وصالح کوعبادالرحمٰن، متقی ومتواضع کو کم دیکھا تھا، وہ ادب اسلامی کے ترجمان اور ذہن رسا کے مالک تھے، ان کی باتیں صاف وشفاف اور واضح ہوتیں، ان کی تحریریں رشد وہدایت سے معمور ہوتیں، ان کے جذبات شریعت الٰہی کے قالب میں ڈھلے ہوتے، ان کے افکار وخیالات کوثر وتسنیم سے دھلے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور ان کی کتاب زندگی کا ہر ورق بدر کامل کی طرح روشن تھا، اچانک آفتاب عالم تاب کے غروب ہوجانے سے ہر چہار جانب اندھیرا چھا گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے برادر سعید مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاگرد رشید مولانا شفیق الرحمٰن ندوی نوراللہ مرقدہ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک ہی ساتھ طلب کیا گیا تھا اور ۱۹۷۳ء میں ان دونوں حضرات کو اپنی صلاحیتوں کو صرف کرنے اور اپنی خدمات کو پیش کرنے کی دعوت دی گئی تھی، مولانا سید محمد واضح رشید ندوی نے فوراً حکم کی تعمیل کی چونکہ وہ جہاں تھے وہاں سے بیزار تھے اور والد محترم ایک سال تاخیر سے تشریف لائے۔ چونکہ وہ ایک ذمہ دار عہدہ پر تھے، جس کو یک لخت چھوڑ کر آنا آسان نہ تھا، دونوں بڑی تنخواہ چھوڑ کر آئے تھے، دونوں کا میدان ادب وصحافت تھا، دونوں ادب کے استاذ مقرر ہوئے، دونوں کے گھنٹے علیا درجات میں لگے، دونوں کا تعلق ''الرائد'' سے رہا، دونوں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے لئے معاون ومشیر بنے، دونوں خاموش مزاج، کم گو اور کم آمیز تھے۔ دونوں شریف النفس و کریم النفس تھے۔ دونوں نے عمر عزیز اس احتیاط سے گزاری کہ ان کا آشیاں کسی شاخ چمن پر بار نہ ہو۔ دونوں کی قابل رشک موت اپنے بستر پر فجر کے وقت ہوئی۔ یقین جانئے دونوں بزرگوں میں غیر معمولی مماثلت تھی، فرق صرف اتنا تھا ایک کا تعلق آل رسول سے تھا اور دوسرے کا تعلق خاندان صدیقؓ سے تھا، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ہر جگہ صدیقیت کی بھرپور نمائندگی کی اور فدائیت کا ہر مقام پر ثبوت دیا۔ مولانا سید واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہمیشہ برادرانہ اور مشفقانہ معاملہ کیا، انہوں نے اپنی متعدد تصانیف پر والد ماجد سے نظر ثانی کرائی، دو کتابیں تو آج بھی یاد ہیں: ۱-تاریخ الادب العربی، العصر الجاہلی، ۲-تاریخ النقد للأدب العربی۔ اسی طرح والد ماجد کے پاس اپنے لائق فرزند مولانا سید جعفر مسعود ندوی کو الگ سے کتابیں پڑھنے کے لیے بھیجتے تھے تاکہ انھیں عربی صرف ونحو اور بلاغت پر عبور حاصل ہو۔ ایک مرتبہ

دوران گفتگو مجھ سے فرمایا کہ آپ کے والد تعمیری نقد، مخلصانہ اعتراض اور قابل عمل و با مقصد مشوروں کے عادی تھے۔ (شاید وہ میری تربیت فرمارہے تھے)

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا شرف دیدار ایام طفولیت سے حاصل رہا، یہ الگ بات ہے کہ اپنی کم سنی کم علمی اور کم فہمی کے سبب شرف باریابی بہت کم رہی لیکن جب دارالعلوم سے فراغت کے بعد ان سے شرف نیاز اور شرف باریابی کا سلسلہ جاری ہوا تو دیدار شوق اور تمنائے ملاقات میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا، اب جاتا تو تلاش کر کے ملتا، راحت و فرحت محسوس کرتا، گفتگو دلچسپ ہوتی، مفید ہوتی، مشعل راہ ہوتی اور میرے معیار اور مذاق کی ہوتی۔

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۴ رجون ۲۰۰۲ء کے بعد تو ان کی بے پناہ محبت و شفقت حاصل ہوئی۔ مخدوم گرامی حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی مدظلہ کا تو حکم تھا کہ لکھنؤ جب کبھی آؤں، ندوہ میں ہی قیام کروں اور کھانا ساتھ کھاؤں، لیکن مولانا سید واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ تو ہر بار اس کی تاکید کرتے، چلتے وقت بطور یاد دہانی فرماتے کہ کھانا ساتھ کھایئے گا، میں انتظار کروں گا۔ کئی بار تو کھانے کے دسترخوان میں دونوں اخوان الصفا اپنے درمیان بیٹھا لیتے اور از راہ شفقت کھانے کی چیزیں میری طرف بڑھاتے چلے جاتے اور جب کبھی میری جانب سے تکلف پاتے تو بڑی محبت سے ایک ایک لقمہ پیش کرتے اور اس درمیان والدہ ماجدہ کی، بھائی کی، تمام بہنوں کی خیریت دریافت کرتے، اندازہ ہوتا کہ ان حضرات کی نگاہ میں والد ماجد کی کیا قدر و منزلت تھی اور گلشن شفیق کے ہر پھول سے کس قدر محبت، انسیت اور اپنائیت ہے۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل
وہ دکان اپنی بڑھا گئے

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے لڑکپن میں سب سے پہلی ملاقات ''الرائد'' کے سامنے پارک میں ہوئی تھی، میں کان میں ریڈیو لگائے کنٹری سنتا اپنی دھن میں چلا جارہا تھا کہ مولانا نے آواز دی، ہاتھ پیر پھول گئے، ڈرتا ڈرتا قریب گیا تو مولانا نے پوچھا کہ انڈیا کا کیا اسکور ہے؟ جان میں جان آئی، میں نے تفصیل سے بتایا تو فرمایا کہ گواسکر جب تک پچ پر ہے امید باقی ہے، پھر مجھ کو محو حیرت دیکھ کر خود ہی فرمایا کہ میں دہلی سے ریڈیو کی سروس چھوڑ کر آیا ہوں، اس لئے ریڈیو سے خاصی دلچسپی ہے۔

دوسری ملاقات کا واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ اس زمانہ میں مجھ ناچیز کو بیرونی ممالک کے ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کا بڑا شوق تھا، جس کے لئے الرائد کے دفتر برادر مکرم محمد عثمان خان ندوی کے پاس اکثر جاتا تھا، ایک مرتبہ عثمان بھائی موجود نہیں تھے میں واپس آنا ہی چاہتا تھا کہ مولانا نے آواز دی اور ایک درجن سے زائد ٹکٹ الجزائر اور عمان کے دیئے اور فرمایا: میں تمہاری دلچسپیوں سے واقف ہوں، تم مولانا شفیق صاحب کے لڑکے ہو، آئندہ آنا تو تھوڑی دیر میرے ساتھ بیٹھنا۔ اب اس پرکشش ذات سے میری دلچسپی بڑھ گئی تھی، ادھر سے گزرتا تو ملاقات کرتا، وہ میری حوصلہ افزائی کرتے، غایت درجہ ہمدردی کا معاملہ کرتے، ثانویہ رابعہ میں النادی العربی کے مقابلہ خطابت میں اول پوزیشن لایا تو انعام سے نوازا۔ فرمایا: کہ عربی ادب میں آپ کے والد کی صلاحیت بہت ممتاز ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی عربی و اردو میں امتیازی صلاحیت پیدا کریں، اس کے لئے ضروری ہے کہ روز پانچ سطر اردو سے عربی ترجمہ کر کے دکھایئے،

افسوس کہ اپنی آزادروش کی وجہ سے فائدہ نہ اٹھاسکا، ہر پھول کی قسمت میں کہاں ناز عروساں۔

۱۹۹۱ء دارالعلوم سے تعلیمی فراغت کے بعد مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ سے خوب خوب ملاقاتیں رہیں اور اہم موضوعات پر کھل کر باتیں ہوئیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ مجھ ناچیز سے ایسے ایسے سوالات کرتے کہ احساس شعور وادراک کو تقویت پہنچتی۔ ملنے سے پہلے تیاری بھی کرنی پڑتی۔ دہلی سے آتا تو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی خیریت دریافت فرماتے، ملی کونسل کی سرگرمیوں سے واقفیت چاہتے اور فرماتے آپ سے متعلق تمام خبریں اخبارات کے ذریعہ مل جاتی ہیں۔

۶ رمارچ ۱۹۹۵ء کو اپنی شادی کے بعد ندوہ آیا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے شادی کی روداد سنی (جبکہ والد ماجد نوراللہ مرقدہ سے بھی سن چکے تھے) میں نے بتایا کہ ''میں بارات لے کر نہیں گیا''۔ گاؤں کی مسجد میں معمول کے مطابق بعد نماز مغرب نکاح ہوا اور میں نے عین نکاح کے وقت کھڑے ہوکر کہا کہ ''میرا نکاح وہی پڑھائے جس نے جہیز نہ لیا ہو''۔ پھر ولیمہ کا ذکر شاندار رہا، ایک ہزار لوگوں نے شرکت کی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ خاموشی سے سب سنتے رہے اور مسکراتے رہے پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ کے یہاں دولہا تو خوب سجتے ہیں لیکن معلوم ہوا کہ آپ نے بہت سادگی اختیار کر رکھی تھی۔ میں نے کہا جی! پرانے کپڑے اور پرانی شیروانی میں نکاح ہوا اور شیروانی جیسی نفیس اور باوقار لباس پر کسی چیز کا اضافہ شیروانی کی توہین سمجھتا ہوں۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ پاس ہی بیٹھے تھے اور مسکرائے جا رہے تھے چلتے وقت فرمایا کہ ملاقات کرتے رہا کیجیے۔ آپ واقعی ندوی ابن ندوی ہیں۔ آپ کی باتیں سن کر انتہائی خوشی ہوئی اور بہت سی باتیں واضح ہوئیں جس سے ذہن صاف ہوا۔ اور آپ کو صحیح طور پر سمجھنے کا اتفاق ہوا آپ کے والد مجھ سے بہت قریب تھے۔ اس تعلق سے آپ کو بھی قریب ہونا چاہیے۔ نسیم صبح تیری مہربانی۔

۲۰۰۱ء میں لیکچرر اردو کی سرکاری نوکری ملنے کے بعد مولانا واضح رشید ندوی سے ملاقات ہوئی تو سب سے زیادہ خوشی کا اظہار کیا اور بار بار کیا، فرمایا کہ اب آپ کو آپ کی اصل جگہ ملی ہے۔ آپ کے اساتذہ بتاتے ہیں کہ آپ کے اندر تدریسی صلاحیت اچھی ہے اور میں خود آپ کی افہام وتفہیم کی صلاحیت سے متاثر ہوں۔ ان شاء اللہ آپ کی ذات سے آپ کے طلباء کو فائدہ ہوگا۔ آپ کی تنظیمی صلاحیت کا بھی میں معترف ہوں لیکن میں آپ کے لئے اسے مناسب نہیں سمجھتا تھا، یہ بات آپ سے کبھی اس لئے نہیں کہی، کہ کہیں آپ پر گراں گزرے۔ اس کے بعد جب بھی گورکھپور سے آنا ہوا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ قومی سیاست ملکی حالات اور صوبہ کے احوال پر گفتگو فرماتے۔ جس سے مولانا کی بالغ نظری اور باخبری کا اندازہ ہوتا اور اس بات سے بھی خوشی ہوتی اس قدر بلندی پر ہوتے ہوئے مجھ جیسے کوتاہ ذہن اور الھڑ پن طالب علم سے سنجیدہ گفتگو فرماتے ہیں۔ وہ بہت بڑے تھے اور ہر شخص کو اونچائی پر دیکھنا چاہتے تھے۔ اپنی گفتگو سے اس میں معیار ووقار پیدا کرتے تھے۔ اللہ غریق رحمت فرمائے۔ بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور قرآن کریم میں اللہ تعالی نے عباد الرحمٰن کی جن صفات کا ذکر کیا، آپ ان سے بدرجہ اتم متصف تھے: **وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا، واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ والذین یبیتون لربھم سجداً وقیاما.**

☆☆☆

جہانگیر قیاسؔ۔حیدرآباد

نعت پاک ﷺ

آباد سے آباد جونا چیز کا گھر ہے
یہ صرف محمد کی عنایت کا اثر ہے

جھک جاتے ہیں شاہوں کے بھی سر آ کے جہاں پر
طیبہ میں وہ اللہ کے محبوب کا در ہے

کیوں خیر سے گزرے نہ حیات اپنی جہاں میں
حامی جو ملا ہے ہمیں وہ خیر بشر ہے

سنت پہ چلو اور عمل کر کے دکھاؤ
الفت تمہیں کونین کے آقاؐ سے اگر ہے

الفاظ ثنا کرنے کو جو نعت میں آئے
ہرلفظ مُنزّہ ہے ہراک لفظ گہر ہے

سایہ ہے نہ ثانی ہے قیاسؔ اُن کا کہیں بھی
کہنے کو تو محبوب خدا مثل بشر ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

یاسین ھابیل۔حیدرآبادی (مقیم حال امریکہ)

غزل

محبتوں کے خزانے لٹا کے آیا ہوں
جو لٹ رہی تھی وہ دنیا بسا کے آیا ہوں

کسی کے شوق میں اک بوند پیار کی لیکر
میں اُس یہ لطف کے دریا بہا کے آیا ہوں

مرے وطن پہ کسی نے نظر بڑی ڈالی
تو اُس حقیر کا میں گھر جلا کے آیا ہوں

چھپا کے درد اَلم اپنے چھوٹے دامن میں
خوشی کے نجم لبوں پر سجا کے آیا ہوں

کل ہی حاضر ہوا احباب کی محفل میں جہاں
پھر اک تازہ غزل میں سُنا کے آیا ہوں

جو اقتدار کی مستی سے بے ضمیر بنا
میں اُس غرور کے سر کو جھکا کے آیا ہوں

قبولِ عام ہوئی میری کاوشِ قلمی
میں اس جہاں میں سَر کو جھکا کے آیا ہوں

علم ہابیلؔ کو ہے کیا ہے وبالِ نفرت
اسی لئے مشعلِ اُلفت جلا کے آیا ہوں

تشکیل انور رزاقی۔حیدرآباد

طالبؔ رزاقی کلاسیکل وجدید غزل کا منفرد شاعر

طالبؔ رزاقی اردو کے ایک معتبر شاعر تھے،ان کے والد حاجی محمد یوسف قادریؒ اپنے وقت کے ممتاز عالم دین اور اردو،عربی اور فارسی کے شاعر تھے،وہ مہاراجہ شیوراج ڈیوڑھی کے منتظم تھے اور خاندانی رئیس تھے۔ طالب کے حصہ میں دو(۲) ملکیاں آئی تھیں،ایک میں کپڑے کا خارنہ اور دوسری میں افسٹیلرنگ شاپ تھی معظم جاہی مارکیٹ جے این روڈ ابڈز، پر یہ ملکیاں واقع تھیں۔وہ نظام شاہی ملز کے شیئر ہولڈر تھے۔ وقار آباد کے موضع منیر آباد میں ڈیری فارم تھا جس کا آبائی حصہ (4) ایکر (8) گنٹہ پر مشتمل تھا جوان کے حصہ میں آیا تھا،پولیس ایکشن کے دوران ان پر غیروں کا قبضہ ہوگیا۔

طالب رزاقی کی پیدائش محلہ گولی گوڑہ،حیدرآباد میں ہوئی،وہاں سے بعد میں دانی کا باغ قاضی پورہ میں منتقل عمل میں آئی۔ انھوں نے عثمانیوہ یونیورسٹی کی لائبریری، محبوبیہ کالج سکندرآباد اور محکمہ تعلیمات آندھراپردیش میں اُردولٹریچر(اروادب) کی خدمات انجام دیئے۔

حضرت طالبؔ رزاقی جیسا کہ ابتدا میں کہا گیا اردو زبان کے ایک معتبر شاعر تھے جدید دور کے شعراء میں اس کی مثال شاید ہی مل سکے۔ وہ فن شاعری پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔اپنی ساری زندگی مشقِ سخن یا سخن طرازی میں گذار دی تھی،ذاتی مطالعہ اور مسلسل مشقِ سخن کے ذریعہ اپنی شاعری میں وہ کمال حاصل کیا کہ استاذ سخن کے درجہ پر فائز ہوگئے، بڑے جتن کے ساتھ سرزمین دکن میں اس چراغ کو جلائے رکھا جسے حضر صفی اورنگ آبادی نے روشن کیا تھا۔صفی کے بعد طالب رزاقی نے بے شمار شعراء کے کلام کی اصلاح کی اور بے شمار شعراء کے ذوق شعر گوئی کو پروان چڑھایا۔

جدید رجحانات اور عصری مسائل پر بھی حضرت طالب کی گہری نظر تھی۔ یہی سبب ہے کہ ان کے اشعار میں عصری حسیت، فکری پرواز اور غم دوراں کے جذبات کی عکاسی نمایاں ہے۔اُن کی شاعری کا ایک منفرد انداز تھا ایک خاص ترنم اُن کی شخصیت کا آئینہ دار تھا۔غزل گوئی پر انھوں نے خاص توجہ دی۔لفظوں کے مزاج آشنا،اظہار اسلوب پر استادانہ قدرت رکھتے تھے۔چھوٹی بحروں کے انتخاب کا سلیقہ آتا تھا۔فن عروض پر غیر معمولی گرفت تھی۔ طالبؔ روایات کے پاسدار ہونے کے باوجود ان پر فکر امروز کا رنگ گہرا اور مسائل کا احساس شدید تھا۔ان کا کمال یہ ہے کہ وہ جگ بیتی کو آپ بیتی بنادیتے اور اپنے جذبات واحساسات کی آگ میں تپا کر غزل کے سانچے میں ڈھال لیتے۔ دنیا کے درد دل کی دھڑکنوں میں سمو کر اُسے روایات کا حُسن عطا کردیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل میں داخلی اور خارجی تجربات کے درمیان فرق کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔اسی خصوصیت نے طالبؔ کو ہم عصر غزل گو شعراء میں ایک ممتاز ومنفرد مقام عطا کردیا ہے، طالب رزاقی کی شاعری میں ان کی زندگی کی سچی تصویر نظر آتی ہے۔ان کا سارا کلام حقیقت پسندی کا مرقع ہے،اس طرح شاعر نے اپنے اشعار میں ایک

انوکھے تصور کو پیش کیا ہے جس کی وجہ سے پیکریت اشعار میں گم ہوجاتی ہے۔ بلاشبہ انھوں نے روایات سے استفادہ کیا ہے اور ان کی غزل کی زبان میں جس قسم کی چاشنی پائی جاتی ہے وہ پڑھنے اور سننے والوں کو نہ صرف مزا دیتی ہے بلکہ یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ مسحور کردیتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کی ترجمانی کرنے کے دوران، زندگی کی بدلتی کیفیتوں کو زندہ کردیا ہے اور گریبانِ امروز کے چاک کو رفو کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ قارئین وسامعین کے دلوں کی گہرائی سے نکلی ہوئی داد حاصل کرلیتے ہیں۔ غزل کے ان اشعار کے تیور دیکھئے۔

ہے مصر مگر مصر کا بازار نہیں ہے
کیا ایک بھی یوسفؑ کا خریدار نہیں ہے
میری ہی طرف بڑھتی ہے کیوں قہر کی نظریں
کیا میرے سوا کوئی گنہگار نہیں ہے

غرض طالب رزاقی کی شعری تخلیقات جہاں رومانی تجلیات سے آراستہ ہیں وہیں خارجی کیفیات سے بھی مالال ہیں۔ زندگی کے فلسفے سے آگہی کا ہنر خوب جانتے ہیں ان کے شعری مجموعہ ''نوائے طالب'' کی ہر غزل دیکھئے تو اپنے انداز سے انوکھی ہے۔ اُن کے کلام میں مذہبیت وروحانیت کا اثر بھی شامل ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

کسی کی آنکھوں میں کیوں اشک غم نہ بھر آئیں
جگر کے خون سے لکھی ہے داستان میں نے
کسی کو وہم و گماں تک نہ ہوسکا طالبؔ
مذاق شعر کو پہنچا دیا کہاں میں نے
زمیں سے دور فلک سے پرے نظر سے بلند
تجھے تلاش کیا ہے کہاں کہاں میں نے
کاتب وقت کا لکھا ہوا مٹتا بھی نہیں
غم پہ ہنسنے کے سوا اب کوئی چارہ بھی نہیں
دیوانہ کہہ کے آپ نے مشہور کردیا
دل کو قریب کرکے مجھے دور کردیا
مجھ کو ویسے بھی شکایت کی نہیں ہے عادت
اور پھر تم نے مرے درد کو سمجھا بھی نہیں
تسکینِ دل کے واسطے آئے تھے وہ مگر
بے تابیوں کو اور بڑھاتے چلے گئے
جوشؔ و امجدؔ کا تصور تجھ سے طالبؔ کیا کہوں
حافظؔ و خیامؔ کا بھی نام لے سکتے نہیں
غزل کا بانکپن حیراں کئے دیتا ہے دنیا کو
مرے فن میں سمٹ کر آگئی ہے کس کی رعنائی
اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا
چھوٹ کر تم سے میں دنیا میں اکیلا بھی نہیں
غم حیات کو جی بھر کے پیا کرلینا
یہ جبر جبر سہی اختیار کرلینا
حساب مہرو وفا ہم سے مانگتے کیا ہو
شمار میں اگر آئے شمار کرلینا
زندگی سنورتی ہے حادثوں سے ٹکرا کر
لغزشوں کے صدقے میں آدمی سنبھلتا ہے
غور سے مجھے دیکھو وقت ہوں زمانہ ہوں
کائنات پر طالبؔ میرا زور چلتا ہے
زندگی سے کئی باتیں ابھی طے کرنی ہیں
ایک ذرا عمر کی معیاد بڑھادی جائے
سارے جہاں کے غم مری خدمت میں آگئے
مجھ کو تمہارے غم کا پرستار دیکھ کر
کہتے ہیں اہل فن کہ بڑھے گی حیات فن
طالبؔ کو ایسے دور میں فن کار دیکھ کر
کہتے ہیں نقش پا ابھی منزل تو دور ہے
دیر و حرم بھی آؤ ذرا دیکھتے چلو
طالبؔ اس ارتقا کے زمانے میں ہر طرف
موجود ہیں خدا ہی خدا دیکھتے چلو

امانت علی قاسمی۔استاذ ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند

مسلم سماج اور ہوٹل کلچر

ششماہی کی تعطیل کی مناسبت سے حیدرآباد جانا ہوا ویسے تو قریب دس سال وہاں رہنے اور چیزوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میری طبیعت شروع سے ہی تجزیاتی ہے۔ایک مرتبہ حیدرآباد کے سفر کے دوران میں اپنے میزبان کے ساتھ گاڑی سے گزر رہا تھا اُس علاقے میں شادی خانے اور فنکشن ہال بہت تھے اور بہت مہنگے مہنگے تھے میں نے اپنے میزبان سے کہا کہ یہاں فنکشن حال اتنے زیادہ اور اتنے بڑے بڑے ہیں جب کہ اس کے مقابل مسلمانوں کے اپنے اسکول اس قدر نہیں ہیں جو لوگ اتنا خرچ کر کے فنکشن ہال بنا سکتے ہیں وہ اسکول بھی بنا سکتے ہیں؛ لیکن اسکول کے لیے مسلسل محنت کرنی ہوگی اور فنکشن ہال کے لیے وقتی پیسہ اور محنت کرنی ہوگی؛ اس لیے یہاں لوگ اسکول کے بجائے فنکشن ہال تعمیر کرتے ہیں؛ حالاں کہ اسکول سے قوم کی تعمیر ہوگی، فنکشن ہال سے فرد کی تعمیر ہوگی۔

اِس سفر میں ہوٹل کلچر کا خوب مشاہدہ کیا۔ حیدرآباد میں میرے خیال کے مطابق مسلمانوں کے شادی خانے اور ہوٹل بہت زیادہ ہیں اور یہ ہوٹل معمولی نہیں؛ بلکہ بہت معیاری اور مہنگے علاقوں میں عالی شان بنے ہوئے ہیں جن میں کھانے کا صرفہ بھی بہت زیادہ آتا ہے جو عام لوگوں کی استطاعت سے باہر ہے۔ مزدور طبقہ ان ہوٹلوں کا رخ نہیں کرتا ہے، ان کے لیے الگ ہوٹل ہوتے ہیں۔

میں نے غور کیا کہ اس قدر مہنگے ہوٹل ہیں اور کثرت سے ہیں اس کے بعد سب کے سب آباد بھی ہیں آپ جائیں تو بیٹھنے کے لیے انتظار کرنا پڑے گا آخر کیا وجہ ہے؟ مجھے اس کی چند وجوہات سمجھ میں آئیں: حیدرآباد میں آئی ٹی کمپنیاں ہیں جن میں تنخواہوں کا معیار کافی بلند ہے عام طور پر تنخواہ ایک لاکھ سے شروع ہوتی ہے تین لاکھ چار لاکھ ماہانہ تنخواہیں ہوتی ہیں؛ اسی طرح ایمزون، گوگل اور فیس بک کی کمپنیاں ہیں جن میں تنخواہیں اچھی ہیں ان لوگوں کو اپنے معیار کے مطابق اچھے ہوٹلوں کی تلاش ہوتی ہے اور ہفتے میں دو دن چھٹی میں ضرور ان ہوٹلوں میں جانا پسند کرتے ہیں؛ اسی طرح ہوش ربا گرانی اور ضروریات زندگی موجودہ معیار کے مطابق پورا نہ ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ لوگ باہر ملکوں میں ملازمت کرتے ہیں ان میں بعض لوگوں کی تنخواہیں بہت اچھی ہوتی ہیں وہ ماہانہ ایک لاکھ سے زائد روپے گھر بھیجتے ہیں اب گھر والوں کو بھی خرچ کرنے کے لیے اچھے شاپنگ مال اور معیاری ہوٹل کی ضرورت ہوتی ہے یہی وجہ ہے ان ہوٹلوں میں مردوں کے علاوہ خواتین بھی کثرت سے ہوتی ہیں۔

ہمارے مزاج میں نقالی بہت ہے نقل اتارنے کی عادت نے ہمیں اپنی اصل سے محروم کر دیا ہے؛ اسی نقل کی عادت نے ان لوگوں کو بھی ان ہوٹلوں تک پہنچا دیا ہے جن کی استطاعت نہیں ہے، اسی طرح حیدرآباد ایک تہذیبی روایات اور تاریخی اقدار کا حامل شہر ہے یہاں زائرین کی بھی کثرت ہے وہ لوگ خود بھی اچھے ہوٹلوں میں جانا پسند کرتے ہیں اور میزبان بھی اپنے مہمان کی اچھی ضیافت کی خواہش میں اس طرح کے ہوٹلوں کا رخ کرتے ہیں۔ گھر بیٹھے آڈر کر کے کھانا منگانے کی سہولت نے

مزید اس کو فروغ دیا ہے اور یوں ''ہوٹل کلچر'' وجود میں آ گیا ہے۔ ویسے تو ہوٹلوں میں کھانا یہ عام مزاج بنتا جارہا ہے اور ہر جگہ اور تقریباً ہر بڑے شہر کی یہی حالت ہے۔ گھروں میں عورتوں میں بھی مزاج عام ہوتا جارہا ہے اور ہفتہ میں ایک دو دن باہر کے کھانے کی فرمائش عورتوں میں بڑھتی جارہی ہے اس کی وجہ موبائیل اور سیریلوں کی مصروفیات بھی ہوسکتی ہیں۔

حیدرآباد میں دم کی بریانی دم توڑ رہی ہے اور اس گرانی اور مندی کے زمانے میں ''مندی کھانا'' عروج پر ہے، مندی کے لیے باضابطہ الگ سیکشن بنائے جاتے ہیں جس میں کھانے کے لیے ٹیبل کرسی نہیں ہوتی؛ بلکہ بیٹھ کر گاؤ تکیے کے ساتھ کھانے کا نظم ہوتا ہے اور بہت سی جگہوں پر لب سڑک اوپر کی منزل پر بیٹھ کر فراٹے مارتی ہوئی گاڑیوں کے خوشنما منظر کے ساتھ کھانے کا لطف لیا جاتا ہے اور سیلفی کا شوق پورا کیا جاتا ہے۔ ایک جگہ چند ساتھیوں کے ساتھ مندی کھانے کے لیے گیا وہاں بھیڑ کا یہ حال تھا کہ بیٹھنے کے لیے جگہ نہیں ملی بالآخر ہوٹل کے دوسرے حصے جو مندی کے لیے مخصوص نہیں تھے وہیں کھانا کھالیا۔ ایک جگہ رات میں میرے ایک عزیز شاگرد نے اصرار کیا کہ فلاں ہوٹل میں مندی اچھی ملتی ہے اور وہ مجھے وہاں لے گیے، قریب جاکر ان کا ارادہ بدل گیا انہوں نے کہا کہ حضرت فش (مچھلی) کھاتے ہیں انہوں نے فش کی انواع کے نام بھی لیے جو مجھے یاد نہیں رہے، وہ بھی حیدرآباد کے مشہور اور مہنگے ہوٹلوں میں شمار ہوتا ہے عام طور پر ہوٹلوں میں فیملی سیکشن ہوتا ہے جس میں مکمل پردے کا اہتمام ہوتا ہے؛ لیکن جس ہوٹل میں گیا وہاں فیملی سیکشن اور عام زون میں صرف شیشے کی دیوار حائل تھی آدھے گھنٹے سے زائد انتظار کے بعد مطلوبہ کھانا پروسہ گیا مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ عام زون میں جگہ خالی تھی اور فیملی زون بھرا ہوا تھا اس میں صرف نقاب پوش خواتین تھیں اور یہ ساڑھے گیارہ بجے رات کی بات ہے۔ اور وہ علاقہ حیدرآباد میں دینی مزاج رکھنے والا علاقہ تھا۔

محسوس ہوا کہ ہوٹل کلچر دل ودماغ پر حاوی ہوگیا ہے جو سہولیات کے ساتھ بہت سے مفاسد کا پیش خیمہ ہے۔ اسلام نے جس کفایت شعاری کی تعلیم دی ہے ہوٹل کلچر اس کے خلاف ہے۔ مسلم علاقوں میں ہوٹل کی کثرت اور دیر رات تک چہل پہل ہوتی ہے، دہلی کے ذاکر نگر اور بٹلہ ہاؤس علاقے میں رات بارہ بجے تک اس قدر رونق ہوتی ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ ابھی رات کے سات یا آٹھ بجے ہوں گے۔ اس طرح مسلم علاقوں میں کھانے کے لیے نوجوان رات دیر تک ہوٹلوں کے چکر لگاتے ہیں اور دن کے دس بجے تک خواب غفلت میں مست ہوتے ہیں۔ یہ رواج عام ہوتا جارہا ہے؛ بلکہ نیے نیے ہوٹلوں کا تجربہ کرنے اور ذائقہ بدلنے کی ایک لت مسلم نوجوانوں میں لگتی جارہی ہے۔ ایک ہفتہ ایک ہوٹل جاتے ہیں اور دوسرے ہفتے دوسرے ہوٹل میں اور بسا اوقات صرف کھانے کے لیے پچاس یا سو کلومیٹر کا سفر کرتے ہیں یہ جنون اس قدر بڑھتا جارہا ہے کہ نیشنل ہائیوے پر بنے ڈھابے پر صرف کھانا کھانے جاتے ہیں اور جس قدر کھانے کا صرفہ آتا ہے اس سے کہیں زیادہ پٹرول کا صرف آرہا ہے۔ یہ شوق وجنون مسلم سماج کے لیے بڑے بھیانک نقصانات کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی حالت سب سے زیادہ ابتر ہو وہاں اگر چند افراد کے پاس پیسے ہوں تو ان کو اس طرح خرچ کرنا اور اجتماعی سماج کی خوشحالی، معاشی بہتری کی کوشش کے بجائے اس طرح غفلت اور لایعنی کی زندگی گزارنا ان نوجوانوں کے لیے جن کے ہاتھوں قوم کا مستقبل ہے کس قدر افسوس ناک رویہ ہوسکتا ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔

تصویر میں حافظ مولانا فہیم الدین، مولانا آفتاب عالم ندوی، مولانا وقار احمد قاسمی، مولانا صہیب الظفر خان قاسمی صدر جماعت علماء ہند، مولانا مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی وغیرہ ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد کے تازہ شمارہ کی گنٹور آندھرا پردیش میں رونمائی کرتے ہوئے۔

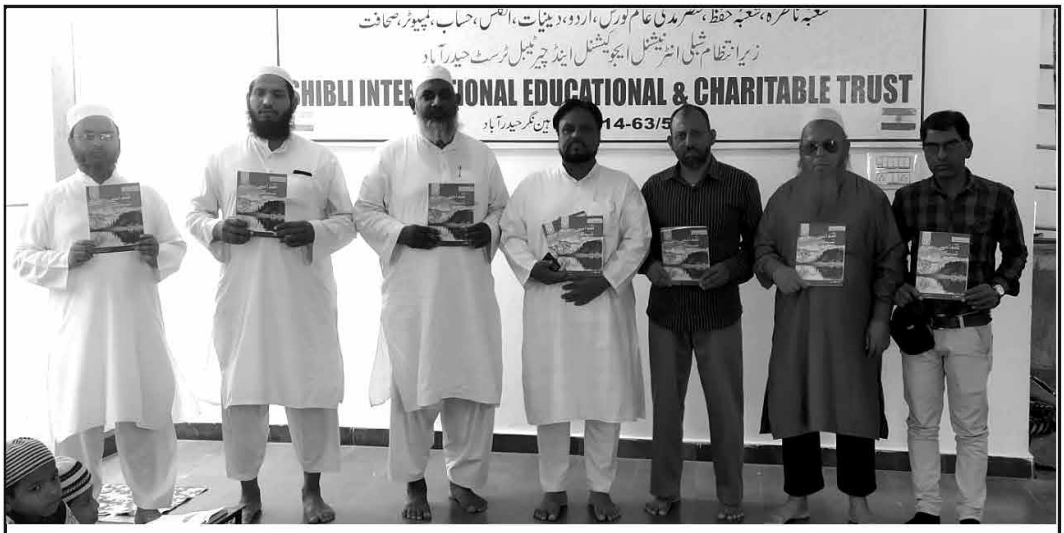

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد عبدالسلام خان انجینئر، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، حافظ محمد شاکر قاسمی، مولانا محمد بشیر قاسمی وغیرہ کے ہاتھوں میں۔

''حرف واثر'' اور بیان شبلی ایک مطالعہ

ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا، اس لئے مصنفین، مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دوعدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔ (ادارہ)

مبصر: **اسامہ ارشاد معروفی قاسمی**۔ پورہ معروف کرتھی جعفر پور ضلع مئو، یوپی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی اپنی بیماری اور نقاہت کے باوجود جس طرح سے ایک کے بعد ایک کتابیں پیش کر رہے ہیں، ایک منظر عام پر آتی ہے تو دوسری پریس میں جانے کو تیار رہتی ہے۔ یہ واقعی حیران کن بھی ہے اور قابل رشک بھی، لیکن یہ سب کچھ اس لیے بھی ہو رہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے اور ان کے خلوص کی برکت بھی ہے۔ موصوف اس قدر شبلی پر کام کر چکے ہیں کہ اب دونوں نام (الیاس و شبلی) لازم و ملزوم بن چکے ہیں اور مزید ابھی شبلی پر کتابوں کا سلسلہ جاری ہی ہے؛ لیکن ڈاکٹر صاحب شبلیات کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی تحقیقی و تنقیدی مضامین لکھتے رہے ہیں، ان کے علمی و تحقیقی، تنقیدی و تاریخی مضامین کے اب تک سات مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ انھیں میں ایک مجموعہ ''حرف واثر'' بھی ہے جو ابھی چند ماہ قبل شائع ہوا ہے اور اس وقت میرے مطالعہ میں ہے اور اس سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل ۲۰۲۱ء میں ان کے مضامین کا مجموعہ ''قدر اور سائے'' بھی میرے مطالعہ میں آیا تھا اور اس پر راقم نے تبصرہ بھی کیا تھا۔ اب دونوں مجموعوں کے مطالعہ کے بعد ایک بات تو بالکل واضح ہو چکی ہے اور مجھے اس کا بخوبی اندازہ بھی ہوا ہے کہ یہ مضامین کے مجموعے علمیت و ادبیت اور تحقیقات میں کسی بھی لحاظ سے سلسلۂ شبلیات کی کتب سے کم نہیں ہیں۔ ڈاکٹر الیاس الاعظمی کی دونوں ہی جہتیں بہت ہی روشن اور بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

''حرف واثر'' میں کل ۲۵ر علمی و ادبی، تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل ہیں، جن میں چند ایک کو چھوڑ کر سبھی مضامین اردو ادب کے نامور ادیب و نقاد، شاعر اور محققین و مصنفین اور ان کی کاوشوں کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ کتاب کے آغاز میں ۴ر صفحات پر مشتمل مصنف کا ''دیباچہ'' بھی شامل ہے۔ پہلا مضمون ''سرسید اور اعظم گڑھ'' کے عنوان سے ہے، جس میں سرسید احمد خاں کے اعظم گڑھ سے تعلقات کے ساتھ ان کی ایک نادر تقریر کو بھی شامل کیا گیا ہے جو انھوں نے اعظم گڑھ میں امرا و روسا اور ملت کے بہی خواہوں کے سامنے ۱۸۷۴ء میں کی تھی اور انھیں ایم اے او کالج علی گڑھ کے قیام کی طرف متوجہ کیا تھا۔ کتاب میں جن اہم شخصیات کی گراں قدر علمی و ادبی اور تاریخی خدمات اور ان کے کارناموں پر مشتمل مضامین شامل ہیں، ان میں مولانا سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال، مولانا عبدالسلام ندوی، اقبال احمد خاں سہیل، محبوب الرحمٰن کلیم، شاہ افضال اللہ قادری، حافظ ڈاکٹر محمد مرسی، ڈاکٹر آدم شیخ، محمد حامد سراج، ڈاکٹر ابرار اعظمی، ڈاکٹر مختار شمیم، پروفیسر حنیف نقوی، ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی، انوار اعظمی، پروفیسر احمد سعید، محمد فاروق

اعظمی، ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی اور نامور نقاد پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ جو مضامین ہیں ان میں ایک اعظم گڑھ اور اس کے قصبات کے گمنام شعرا کے ذکر اور ان کے کلام پر مشتمل ہے۔ دوسرے مضمون میں ''اعظم گڑھ میں اردو صحافت اور قدیم مطابع کا عمدہ جائزہ لیا گیا ہے، اسی طرح دو اور اہم مضمون، ایک میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کا رسالہ ''معارف کی ادبی خدمات'' کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اور دوسرا مضمون ''اسلامیات کے چند اہم اردو رسائل و جرائد کے اشاریے'' پر مشتمل ہے جو بڑی عرق ریزی اور تحقیق سے لکھا گیا ہے۔ کتاب کے آخری حصہ میں ضمیمہ کے طور پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب زندگی کا ایک اہم باب ''میری علمی و مطالعاتی زندگی'' کے عنوان سے شامل کیا ہے، جس میں موصوف نے اپنے خاندانی و تعلیمی پس منظر کے ساتھ ساتھ اپنی مطالعاتی زندگی کے تجربات اور نچوڑ کو بھی بڑی سنجیدگی اور پراثر انداز میں بیان کیا ہے۔ نیز مطالعہ کا طریقہ اور اصول بھی بتایا ہے۔ یقیناً اس کا مطالعہ طلبہ اور نئے لکھنے والوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ آخر میں کتاب کے حوالے سے مصنف کی چند سطریں پیش کر رہا ہوں جو انھوں نے ''دیباچہ'' کے آخر میں لکھی ہیں۔

''حرف واثر کے سلسلہ میں ناچیز کو کسی قسم کا دعویٰ نہیں۔ البتہ یقین ضرور ہے کہ اس کے مطالعہ سے قارئین کے علم اور معلومات میں مفید اضافہ ضرور ہوگا، اس لئے کہ اس میں متعدد ایسے علمی و تحقیقی مضامین شامل ہیں جو میرے برسوں کے مطالعہ و تحقیق کا حاصل ہیں۔'' (صفحہ ۱۰)

کتاب ۲۶۴ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اشاعت ۲۰۲۲ء۔ ناشر: ادبی دائرہ اعظم گڑھ۔ مطبع: اصیلہ پرنٹرس دہلی۔ ملنے کے پتے: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ جامع مسجد دہلی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ اور مکتبہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ یوپی ہیں۔

☆☆☆

زیر تعارف کتاب ''بیان شبلی (۱)'' علامہ شبلی نعمانیؒ کی شخصیت اور ان کے کارناموں پر مشتمل ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو ''متعلقات شبلی''، ''شبلی اور جہان شبلی'' اور ''نقوش شبلی'' ان مجموعوں کی اشاعت کے بعد بھی مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے؛ کیونکہ مذکورہ تینوں مجموعوں کی اشاعت بعد ڈاکٹر صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ اب بقیہ مقالات کے مجموعوں کو مختلف ناموں کے بجائے صرف ''بیان شبلی'' کے نام سے سلسلہ وار شائع کیا جائے اور پیش نظر مجموعہ ''بیان شبلی'' اسی سلسلہ کا پہلا حصہ ہے، جس کی اشاعت ۲۰۲۱ء میں ہوئی ہے۔ صفحات ۲۰۸ر ہیں اور انتساب ڈاکٹر سلمان سلطان کے نام کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں کل گیارہ مضامین و مقالات شامل ہیں اور سبھی مقالات شبلی نعمانیؒ کی شخصیت کے کسی نئے پہلو اور نئے گوشے کو سامنے لاتے ہیں۔ مزید ان میں متعدد اور متنوع جدید تحقیقات بھی شامل ہیں۔

''بیان شبلی (۱)'' میں پہلا مقالہ ''تصوف: علامہ شبلی کی ایک نادر تقریر'' کے عنوان سے ہے، اس میں علامہ شبلی کا تصوف کے موضوع پر ایک نادر خطبہ ہے جو انھوں نے خواجہ حسن نظامی کی فرمائش پر دہلی میں ان کے حلقۂ مشائخ میں دیا تھا، یہ خطبہ اس لحاظ سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ تصوف کے موضوع پر علامہ شبلی کا واحد خطبہ ہے۔ دوسرا

مقالہ ''علامہ شبلی کے نام معاصرین کے خطوط مسائل و مباحث'' پر مشتمل ہے، اس میں معاصرین کے کل ۲۷/خطوط یا خطوط کے اہم اقتباسات شامل ہیں اور یہ سب وہ خطوط ہیں جو ''مکتوبات شبلی'' اور ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' کی اشاعت کے بعد مزید دستیاب ہوئے ہیں، اس مقالہ میں خطوط کے تعارف و تجزیہ کے ساتھ ساتھ شبلی کے بعض اہم کارنامے مثلاً ''انجمن ترقی اردو، وقف علی الاولاد، ندوۃ العلماء، ان کی کتاب ''الانتقاد'' اور بعض دوسرے ضمنی موضوعات بھی زیر بحث آگئے ہیں۔ تیسرا مقالہ ''علامہ شبلی، اقبال اور دارالمصنفین'' ہے، اس میں علامہ اقبال کے ساتھ علامہ شبلی، سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین اور ''معارف'' سے دیرینہ تعلقات اور علمی روابط کی تفصیل قلم بند کی گئی ہے۔ علامہ اقبال دارالمصنفین کی انتظامیہ کے مدۃ العمر رکن بھی رہے اور ''معارف'' سے بھی بے پناہ دلچسپی لی۔ چوتھا مقالہ ''شبلی کے چند نو دریافت غیر مدون خطوط'' ہے اس میں علامہ شبلی کے مزید تیرہ نو دریافت خطوط کو شامل کیا گیا ہے، جن کے مکتوب الیہ بھی نئے اشخاص ہیں۔ اس لیے خطوط شبلیات میں یہ اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں ۹/خطوط بہت ہی مختصر ہیں؛ لیکن پھر بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ پانچواں مقالہ ''سیاسیات شبلی'' ہے، اس میں علامہ شبلی کے سیاسی نظریات اور ان کے اصل حقائق کو پیش کیا گیا ہے۔ چھٹا مقالہ ''شبلی کے چند منتخب اشعار'' میں شبلی کے اردو و فارسی اشعار کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ ساتواں مقالہ ''کلام شبلی پر تضمین: ایک مطالعہ'' کے عنوان سے ہے، اس میں کلام شبلی پر جو تضمین فارسی اور اردو کے شعرا نے کی ہے اس کا تعارف و تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ تضمین کی اہمیت کے ساتھ اس کا پس منظر بھی بیان کر دیا جائے۔ آٹھواں مقالہ ''اردو شارٹ ہینڈ اور علامہ شبلی'' ہے اس میں اردو شارٹ ہینڈ (مختصر نویسی) کے فن اور اہمیت کے موضوع پر علامہ شبلی کی ایک تقریر کا اقتباس شامل کیا گیا ہے۔ شبلی نے یہ تقریر کرسچین کالج کے جلسہ میں کی تھی، مرزا ہادی رسوا کی خواہش پر علامہ اس میں شریک ہوئے تھے۔ مرزا ہادی رسوا نے ۱۹۱۰ء میں ''رسالہ اردو شارٹ ہینڈ'' کے نام سے ایک کتاب بھی شائع کی تھی۔ نواں مقالہ ''بیان شبلی'' کے نام سے ہے، جس میں علامہ شبلی، ان کی فکر و نظر، تصنیفات و تالیفات اور مختلف زبانوں میں ان کے تراجم وغیرہ سے متعلق نئی معلومات جمع کی گئی ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت دلچسپ مقالہ ہے۔ دسواں مقالہ ''شبلی کی بدولت: دار المصنفین'' ہے، اس میں دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کا تعارف اور اس کے عظیم الشان علمی و تحقیقی کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ آخری گیارہواں مقالہ ''علامہ شبلی کا ایک خواب: معارف'' کے عنوان سے ہے اس میں ماہنامہ ''معارف'' کی اجمالی تاریخ اور بے مثال علمی و ادبی خدمات کا انتہائی جامع مرقع پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں مولانا محمد عرفات اعجاز اعظمی کے قلم سے کتاب کا اشاریہ بھی شامل ہے۔ کتاب کی مجموعی حیثیت کے حوالے سے مصنف کی چند سطریں بھی ''دیباچہ'' سے پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

> ''بحیثیت مجموعی ''بیان شبلی'' میں علامہ شبلی نعمانی کی سیرت و سوانح، شخصیت، عظمت اور ان کے لازوال متنوع اور گوناگوں کارناموں کے ساتھ متعدد نئے پہلوؤں کا بھی ذکر آگیا ہے۔ اس سے خاص طور پر نو دریافت اطراف و جہات شبلی کی وسعت، ہمہ گیری

فراز ادیبی۔ مبارکپور اعظم گڑھ (یوپی)

غزل

مجھ کو اپنا جانی دشمن کہہ کر میر اضدی خون
مجھ سے جھگڑا کر لیتا ہے اکثر میر اضدی خون

دونوں اپنی بیتابی سے مجھ کو دکھ پہنچاتے ہیں
باہر میرے جلتے آنسو، اندر میرا ضدی خون

جس پانی کو پی کر تیری آنکھ کا پانی مر جائے
اُس بے غیرت پانی سے ہے بہتر میر اضدی خون

جب بھی دل کے ارمانوں کا قتل ناحق ہوتا ہے
رکھ دیتا ہے تہمت میرے سر پر میر اضدی خون

غنڈے اور موالی جب بھی مجھ پر رُعب جماتے ہیں
ہو جاتا ہے تب آپے سے باہر میر اضدی خون

سر سے لیکر پیروں تک وہ دوڑ رہا ہے رگ رگ میں
کب تک آخر بھٹکے گا یوں در در میر اضدی خون

اور اہمیت کے متنوع پہلو نگاہوں میں آتے ہیں۔ یقین ہے فکر شبلی کی تفہیم و ترسیل میں یہ مجموعہ نہ صرف معاون اور مفید ثابت ہوگا بلکہ ذخیرۂ شبلیات میں بھی ایک اضافہ قرار پائے گا''۔ (صفحہ ۱۴)

کتاب ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ قیمت: ۳۰۰/روپے ہے، اس کو مکتبہ دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ اور مکتبہ جامعہ اردو بازار جامع مسجد دہلی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

فخر حیدرآباد دکن استاد الاساتذہ
''حضرت عبدالرحمٰن جامیؔ صاحبؒ''
ولادت: 8/اکتوبر 1934ء
وفات: 20/جنوری 2021ء

انتخاب

آدم ہے نہ حوا ہے زماں ہے نہ زمیں ہے
وہ کون ہے جو کن میں مگر پردہ نشیں ہے

مانا کہ نہیں ہوں ترے الطاف کے قابل
تو پھر بھی مرے حال سے غافل تو نہیں ہے

بندہ ہوں ترا غیب پہ ایمان ہے میرا
اوروں کو نہ ہو مجھ کو مگر تیرا یقیں ہے

شاہوں کے بھی تاجوں کو لگا دیتا ہے ٹھوکر
یہ بندۂ ناچیز جو اک خاک نشیں ہے

تھا ہند کی جانب مرے آقا کا اشارہ
خوشبوئے محبت تو ہمیشہ سے یہیں ہے

مانا کہ مرا لٹ گیا سرمایہ خوشی کا
اک درد کی دولت تو ابھی میرے قریں ہے

احباب کے برتاؤ کو میں کیسے بھلاؤں
بیکار تسلی گئی دل پھر بھی حزیں ہے

آسان نہیں راہ وفا دیکھ کے جامیؔ
تکلیف کہیں بھوک کہیں پیاس کہیں ہے

تصویر میں محسن خان، غلام سرفراز، پردیپ کمار سنگھ، منیش مہتا جی، عبدالحمید، ایس ایم خورشید، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، ڈاکٹر مختار احمد فردین وغیرہ ووڈ برج ہوٹل لکڑی کا پل حیدرآباد میں ماہنامہ صدائے شبلی دسمبر کے شمارہ کی رونمائی کرتے ہوئے۔

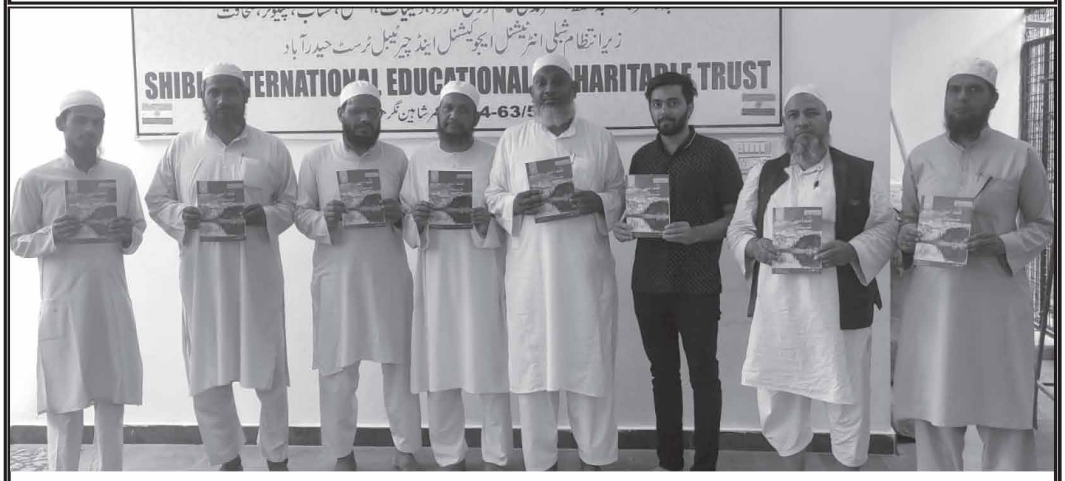

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد مولانا عاقل خان قاسمی، حافظ زبیر احمد صدیقی، محمد سہیل عرف علی انجینئر، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، ڈاکٹر محمد رفیق، مولانا مساعد ہلال احیائی، مولانا راشد فضل وغیرہ کے ہاتھوں میں۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیرٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد
SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST
Regd. No. 180/2016

مسجدِ الٰہی کی تعمیر کے لئے تعاون کی اپیل

مسجدِ الٰہی زیرانتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیرٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام شروع ہورہا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیّرہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کردی ہے، اللہ تعالیٰ مخیّرہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرانتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔ مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کی تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کرکے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ جزاک اللہ أحسن الجزاء.

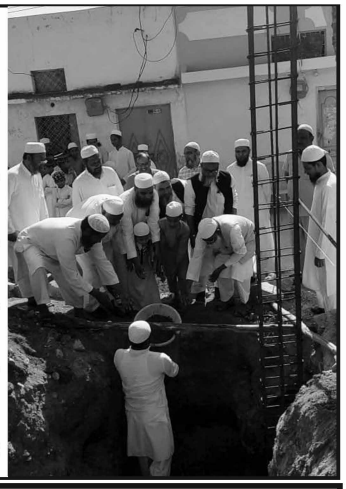

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہین نگر حیدرآباد کے متعلمین محمد حذیفہ، عبدالرحمٰن۔ مولانا نورالعین قاسمی، مفتی یوسف خان قاسمی، مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، مولانا شریف اللہ خان قاسمی، حافظ زبیر احمد صدیقی، حافظ وقاری محمد شاکر قاسمی، مولانا مساعد ہلال احیائی، مولانا محمد بُشَیر قاسمی، مولانا محمد عاقل خان قاسمی، ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب، سید وحید صاحب، محمد مجاہد ہلال اعظمی، مولانا راشد فضل قاسمی اور دیگر حضرات ''مسجد الٰہی'' زیرانتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کی بنیاد رکھتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آسانی فرمائے اور قبول فرمائے (آمین)

Bank Name : IDBI **A/c Number :** 1327104000065876
A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar
Google Pay: 8317692718, WhatsApp : 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

January 2023

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

مجتبیٰ ٹکسٹائلس

MUJTABA
TEXTILES FOR THE GENTLEMAN IN YOU

#20-4-20/6/1, 20-4-20/7/5 & 7/6, Punch Mohalla, New Laad Bazar,
Khilwath, Hyderabad. T.S. India
Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com
Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com